الا الله

162

ندلس

تاریخ و ادب

تصنیف

ڈاکٹر سید محمد یوسف

پروفیسر عربی جامعہ کراچی

ندیہ پبلشنگ کمپنی

ندر روڈ، کراچی ۱

Marfat.com

Marfat.com

اندلس
تاریخ و ادب

از فتح ۹۱ھ تا ۴۰۰ھ

352

تصنیف
ڈاکٹر سید محمد یوسف
پروفیسر و صدر شعبہ عربی، جامعہ کراچی

ناشر
مدینہ پبلشنگ کمپنی۔ بندر روڈ۔ کراچی

Marfat.com

گذارشِ احوالِ واقعی

اس کتاب کی اشاعت کے ساتھ ہمارے ایک نئے سلسلہ کا آغاز ہو رہا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عربی اسلامی علوم و آداب پر بلند پایہ تخلیقات کی طلب ہمارے ملک میں بہت کم ہو گئی ہے اور روز بروز کم ہوتی جاتی ہے۔ اس صورتِ حال سے مایوس ہو کر عموماً ناشر اس اہم شعبہ سے متعلق علمی تصانیف کی اشاعت سے گریز کرتے ہیں۔ اس طرح ایک چکر پڑ جاتا ہے جس سے باہر نکلنا وقت گذرنے کے ساتھ دشوار تر ہو جاتا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر طمعِ زر نے ناشر کے اجتماعی شعور کو بالکل ہی مردہ نہ بنا دیا ہو تو وہ مناسب حدود میں تجارتی نقطۂ نظر رکھتے ہوئے بھی قوم کی علمی و ثقافتی زندگی میں اپنا اہم کردار بحسن و خوبی ادا کر سکتا ہے۔ ایک باہمت تاجر اس راز کو جانتا ہے کہ اچھے مال کی رسد بذاتِ خود طلب میں اضافہ کا باعث ہے۔

اس نیک ارادہ سے ہم نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے اور یہ امر ہمارے لئے موجبِ مسرت و طمانینت ہے کہ اس کا آغاز ڈاکٹر سیّد محمد یوسف کی گراں قدر، حسین، دلچسپ اور مفید تصنیف سے ہو رہا ہے۔ ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ طباعت کا ظاہری حسن کتاب کے معنوی حُسن کے شایان شان ہو۔

ہمیں اُمید ہے کہ یہ کتاب علمی و تعلیمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی اور عام قارئین میں بھی مقبول ہوگی۔ اگر یہ امید پوری ہوئی تو سمجھنا چاہیے کہ عربی۔ اسلامی علوم و آداب کے احیاء اور نشر و اشاعت کی طرف پہلا مبارک قدم کامیاب ہوا۔

مدینہ پبلشنگ کمپنی
بندر روڈ۔ کراچی
۱۶ر جولائی ۱۹۶۹ء

حکیم محمد تقی دہلوی
ناشر

Marfat.com

352

پیش لفظ

اسلامی علوم کے نشو و ارتقاء پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ ادب اور تاریخ کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے، بلکہ شروع ہی سے تاریخ کو ادب کا اہم جزو شمار کیا گیا ہے۔ مسلمان حقیقت سے، ٹھوس واقعات سے، صدق سے شغف رکھتا ہے اور امانت و دیانت کے ساتھ ان کو محفوظ رکھنا اور ان سے عبرت حاصل کرنا "حفظ و اعتبار" اپنا فرض سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ نے ایسی ترقی کی جس کی مثال کسی دوسری قوم اور معاشرہ میں نہیں پائی جاتی۔ اس کے برخلاف روایۃ (NOVEL) اور افسانہ کو بڑی شدت کے ساتھ علمی حلقوں سے دور رکھا گیا۔ "الف لیلہ" کا نام کسی مدرسہ میں نہیں سنا گیا۔ بالآخر جن قصوں نے بمشکل ادب عالی میں راہ پائی ان میں قصہ کا ڈھانچہ بہت کمزور ہے، لغت و اسلوب کی فصاحت و بلاغت کا پہلو قوی و نمایاں ہے۔ ایسی مثالیں بہت کم ہیں جن میں قصہ کو قصہ کی خاطر پیش کیا گیا ہے۔

مسلمانوں کی تاریخ کے مصادر و مراجع ادب کا بہترین ذخیرہ ہیں، کوئی صفحہ شعر، خطبہ، فصیح و بلیغ مقولہ، اور انشا و رسائل کے نمونہ سے خالی نہیں، مسلمان مورخ ہمیشہ بلند پایہ ادیب ہوئے ہیں، عتبی کی تاریخ یمینی تک پہنچتے پہنچتے تو مورخ کی ادبیت حد سے گزر کر عیب بن گئی تھی۔ ابھی کل کی بات ہے کہ ادب کے بغیر تاریخ کا تصور بھی ممکن نہ تھا۔ شاید یہ کہنا صحیح ہوگا کہ شبلی ادیب زیادہ تھے اور مؤرخ کم۔

ہمارے اپنے روایتی نظام تعلیم میں بھی دیکھ لیجئے ساری اہمیت ادب کو دی گئی

Marfat.com

اور تاریخ کو تو تقریباً نظر انداز ہی کر دیا گیا۔ تاریخ کی بابت یہ سمجھا جاتا تھا کہ جس نے ادب پڑھ لیا وہ تاریخ اپنے آپ پڑھ لے گا۔ فی الواقع جو ادیب ہو وہ تاریخ اپنے آپ پڑھ سکتا ہے۔ بغیر ادب کے تاریخ نہیں پڑھی جا سکتی۔

مغربی نظامِ تعلیم میں تاریخ کو بحیثیت ایک جداگانہ فن کے جو اہمیت دی گئی ہے وہ مستحسن اور قابلِ قدر ہے۔ ہم نے فنِ تاریخ کو اہمیت دینا سیکھا بہت اچھا کیا مگر ہمت کی پستی یہ کہ دوسروں سے جو بات سیکھی وہ الٹی سیکھی اور اس میں اپنی تن آسانی کی راہ نکال لی۔ مغرب میں تو آج بھی مؤرخ ماہرِ لسان نہیں ماہرِ السنۃ ہوتا ہے، ہمارے یہاں تاریخ کے استقلال کے معنی ادب سے افتراق کے لیے۔ چنانچہ ادب اور تاریخ کے درمیان خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی جا رہی ہے۔ اس کا اندازہ صرف وہ کر سکتے ہیں جو ہمارے تعلیمی اداروں کا اندرونی تجربہ رکھتے ہیں۔ ہمارے ماہرینِ تعلیم بدرجۂ مجبوری بشرما حضوری مؤرخ کیلئے متعلقہ زبان کی شُدبُد (ELEMENTARY KNOWLEDGE) ضروری مانتے ہیں اور بس۔

ادب کو سمجھنے اور اس کی قدر و قیمت معین کرنے کیلئے بھی تاریخی بصیرت درکار ہوتی ہے ادب کا تاریخی اور اجتماعی حالات سے گہرا ربط ہوتا ہے۔ ہمارے ادب کے شعبے تاریخ کے ساتھ اعتنا تو کرتے ہیں مگر صرف معمولی پس منظر کی حد تک، تاریخ کو ادب کا جزو وہ بھی نہیں سمجھتے۔

چند سال ہوئے میں نے عربی کے نصاب میں اندلس کو اس کا صحیح مقام دینے کے لئے اندلسی ادب کا ایک مستقل پرچہ شروع کیا۔ دورانِ تدریس ادب کو تاریخ سے ربط دیتے ہوئے اکثر خیال آیا کہ کیوں نہ ایک ایسا انتخاب مرتب کیا جائے جس میں ادب اور تاریخ کا امتزاج ہو۔ ادھر چند مخلص دوستوں کا عرصہ سے اصرار تھا کہ اب جیسے جیسے اسلامی نظریۂ حیات اور قومی زبان یا زبانوں کا زور ہو رہا ہے ویسے ویسے عربی زبان و ادب حتیٰ کہ قرآن و حدیث سے بے تعلقی بڑھتی جاتی ہے، کوئی چیز ایسی ہو کہ عربی ادب کی بھولی بسری یاد تازہ ہو جائے۔ ان محرکات نے مجھے آمادہ کیا کہ یہ مجموعہ تیار کروں جو ہدیۂ طلاب و قارئین ہے۔ میں نے اپنے فکر کی لڑی میں ایک ترتیب کے ساتھ تاریخی اقتباسات کو پرو دیا ہے

Marfat.com

عربی اقتباسات عربی کے طالب علموں کے لئے ہیں۔ اردو حصہ میں انھیں اقتباسات کا ترتیب وار ترجمہ ہے، بیچ بیچ میرے اپنے ملاحظات ہیں جو میرے سلسلۂ فکر کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہ ملاحظات وہ آرائشی ماحول (DECOR) فراہم کرتے ہیں جس میں ان اقتباسات کی تاریخی قدر وقیمت اور ان کا ادبی حسن اجاگر ہوتا ہے۔

اقتباسات تمام تر اندلس کی مستند تاریخوں سے لئے گئے ہیں۔ ان میں کتنی تاریخ ہے اور کتنا ادب ہے یہ قارئین خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ میرا یہ انتخاب جس حد تک بھی کامیاب ہو، اگر میں اس کے ذریعہ اصحابِ فکر ونظر کو صرف ادب اور تاریخ کے عضوی (ORGANIC) ارتباط کا یقین دلا سکوں تو میں سمجھونگا کہ میری محنت رائیگاں نہیں گئی۔

ہو سکتا ہے کہ یہ مجموعہ نصاب میں شامل کرنے کے لائق سمجھا جائے اس میں عربی اقتباسات کا جو اردو ترجمہ ہے وہ اصل سے بہت قریب ہے، تاہم جو طالب علم اسے رٹ کر امتحان میں پاس ہونے کی آس لگائے گا وہ دھوکہ کھائے گا۔ امید ہے کہ اردو حصہ کے ساتھ عام قارئین کی دلچسپی میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور وہ اس سے ویسے ہی لطف اندوز ہوں گے جیسے ایک مستقل کتاب سے۔

(ڈاکٹر) سید محمد یوسف
شعبۂ عربی، جامعہ کراچی

۲۵ مارچ ۱۹۶۸ء

Marfat.com

وماذا عسى ان نذكر من محاسن قرطبة الزاهرة والزهراء، ونصف من محاسن الاندلس التى تبصر بكل موضع منها ظلاً ضافيا ونهرا وزهرا، ورحم الله تعالى اديبها المشهور، الذى اعترف له بالسبق الخاصة والجمهور، ابا اسحق بن خفاجة اذ قال:-

يا اهل اندلسٍ لله دركم ماءٌ وظلٌّ وانهارٌ واشجارُ
ماجنة الخلد الا فى دياركم وهذه كنت لو خيرت اختار
لا تختشوا بعد ذا ان تدخلوا سقرا فليس تدخل بعد الجنة النار

وحكي ان الخليل لما قدم من الاندلس رسولاً الى سلطان المغرب ابى عنان فارس ابن السلطان ابى الحسن المرينى انشد بحضرة السلطان المذكور ابيات ابن خفاجة هذه كالمفتخر ببلاد الاندلس؛ فقال السلطان ابو عنان: كذب هذا الشاعر يشير الى كونه جعلها جنة الخلد وانه لو خير لاختارها على ما فى الآخرة، وهذا خروج من ربقة الدين، ولا اقل من الكذب والاغراق وان جرت عادة الشعراء بذلك الاطلاق، فقال الخليل: يا مولانا! بل صدق الشاعر لانها موطن جهادٍ ومقارعةٍ للعدو وجلادٍ، والنبي صلى الله عليه وسلم الرؤوف الودود الرحيم العطوف، يقول: الجنة تحت ظلال السيوف، فاستحسن منه هذا الكلام، ورفع عن قائل الابيات الملام، واجزل صلته، ورفع منزلته، ولعمرى ان هذا الجواب لجدير بالصواب، وهكذا ينبغى ان تكون رسل الملوك فى الافتنان، روح الله تعالى ارواح الجميع فى الجنان۔

(نفح الطيب ۱/۲۱۸)

Marfat.com

ہم کیا کہہ سکیں گے قرطبۃ الزّاھرہ اور الزّھراء کی خوبیوں کے بارے میں اور کیا بیان کریں گے اس اندلس کی خوبیاں جہاں ہر جگہ تمھیں گھنا سایہ، پانی کا چشمہ اور پھول دکھائی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم کرے وہاں کے مشہور ادیب، ابواسحاق بن خفاجۃ پر جن کی فضیلت خواص اور جمہور سب کے لئے مسلّم ہے، وہ کہتے ہیں:۔

اے اندلس والو! سبحان اللہ، کیا بات ہے تمہاری!

پانی ہے سایہ ہے، نہریں ہیں اور درخت ہیں۔

جنۃ الخُلد اگر کہیں ہے تو تمہارے ملک میں ہے

اور اگر مجھے اختیار دیا جائے تو مَیں تو اسی کو پسند کرونگا۔

تم کو تو یہ سب کچھ ہوتے ہوئے دوزخ کا کوئی ڈر نہیں ہونا چاہئے

اس لئے کہ جنّت سے نکال کر کسی کو دوزخ میں نہیں داخل کیا جاتا۔

قصہ مشہور ہے کہ جب الخلیل سفیر بن کر اندلس سے مغرب کے سلطان ابوعنان فارس ابن السلطان ابی الحسن المرینی کے پاس آئے تو انھوں نے ملک اندلس پر فخریہ انداز میں ابن خفاجۃ کے یہ ابیات سلطان مذکور کے دربار میں سنائے۔ اس پر سلطان ابوعنان نے کہا: جھوٹا ہے یہ شاعر! [ان کا اشارہ اس طرف تھا کہ شاعر نے اندلس کو جنۃ الخلد بنا ڈالا اور پھر یہ کہ اگر اسکو اختیار دیا جائے تو وہ اُس کو ترجیح دیگا آخرت کی چیزوں پر] یہ تو دین کی بندش سے باہر نکلنا ہوا، کم از کم جھوٹ اور مبالغہ آرائی تو ہے ہی گو عام طور پر شعراء کی عادت یونہی چلی آتی ہے۔ اسکے جواب میں الخلیل بولے:۔ مولانا! شاعر نے جو کچھ کہا ہے سچ ہے، اسلئے کہ اندلس جہاد کا ملک ہے، وہاں دشمن کے خلاف زور آزمائی اور شمشیر زنی ہوتی ہے۔ اور نبی صلعم نے، جو مہربانی، محبت، رحم اور شفقت سے متصف ہیں، فرمایا ہے۔ "الجنۃ تحت ظلال السّیوف" "جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے"۔ چنانچہ سلطان نے انکی یہ بات بہت پسند کی اور ابیات کے قائل کو ملامت سے بری کر دیا۔ اور الخلیل کو گراں قدر صلہ اور بلند مرتبہ سے نوازا۔

اپنی جان کی قسم! اس میں شک نہیں کہ یہ جواب با صواب کہلانے کا مستحق ہے اور بادشاہوں کے سفراء کو جدّت طرازی میں ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ سب کی روحوں کو جنّتوں میں خوش و خرم رکھے۔

Marfat.com

فہرست مضامین حصّہ اُردو

مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر
طارق اور موسیٰ بن نصیر	۹	الناصر لدین اللہ	۵۰
طارق کا خطبہ	۱۱	عمر بن حفصون	۵۲
بحرِ ظلمات میں گھوڑا دوڑانا	۱۳	منذر بن سعید البلوطی :	
عبد العزیز بن موسیٰ بن نُصیر	۱۵	فی البدیہہ خطبہ	۶۰
تاج پہننا اسلام میں روا نہیں	”	الزہراء کی تعمیر پر الناصر کو تنبیہ	۶۳
عبد الرحمٰن الداخل	۱۷	عظیم عمارتوں کی قدر و قیمت	۶۶
کھجور کا پہلا درخت	۱۸	الزہراء کی تعمیر کے محرکات	۷۱
مطیع بن ایاس اور نخلتیِ حلوان	۲۰	فقیہ ابو ابراہیم کی خودداری	۷۳
صقر قریش	۲۳	الحکم المستنصر باللہ	۷۶
ہشام بن عبد الرحمٰن الداخل	۲۵	جامع قرطبہ کی توسیع	”
الحکم	۲۷	کتب خانہ اور علمی شغف	۷۸
وقعۃ الربض	۲۸	المنصور بن ابی عامر	۸۰
یحییٰ بن یحییٰ اللیثی	۲۹	خلافت کا خاتمہ	۹۰
محبت میں بادشاہوں کا تذلل	۳۲	علوم کی قدر اور علماء کی منزلت	۹۳
عبد الرحمٰن الاوسط	۳۴	احتساب	۹۵
تَبینات	۳۵	عوام کا دینی شعور	۹۷
یحییٰ بن الحکم الغزال	۳۹	انسداد گداگری	”
زہد کے اشعار: ابو العتاہیہ کا معارضہ	۴۷	نگاہِ واپسیں	۹۸

حصّہ عربی ——— ۱۰۷-۱۵۹

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

"زُوِيَتْ لِيْ مَشَارِقُ الْاَرْضِ وَمَغَارِبُهَا وَسَيَبْلُغُ اُمَّتِيْ مَا زُوِيَ لِيْ مِنْهَا"

زمین کے مشرقی اور مغربی کنارے سمیٹ کر میرے قبضہ میں دے گئے ہیں اور جتنی زمین میرے قبضہ میں دی گئی ہے وہاں تک میری امت بہت جلد پہنچ جائے گی۔

فتح اسلامی کی پہلی موج خلافتِ راشدہ کے دور میں مصر کی مغربی حدود سے ٹکرائی۔ حضرت عمرؓ ایک بھی صاحب ایمان کی جان کو خطرہ میں ڈالنے کے روادار نہ تھے، اس خدا ترسی کی کوکھ سے ایسی حکمت عملی نے جنم لیا کہ فتح اسلامی کی پہلی موج مد کی حلیف اور جزر سے ناآشنا رہی۔ چنانچہ جب بنو امیہ نے زمام حکومت سنبھالی تو ایک طرف خراسان میں اور دوسری طرف مصر میں اسلام کی فوجی طاقت کے دو خزان[1] تھے جن کے بند تقریباً ٹوٹ چکے تھے۔ اب یہ حال تھا کہ فتح اسلامی کا دھارا اپنے زور میں آپ بہے چلا جارہا تھا، دمشق میں خطر آزمائی کی روح کارفرما تھی، دیکھتے ہی دیکھتے مصر پیچھے رہ گیا اور قیروان میں کاروانِ اسلام نے نئی چوکی بنالی۔ قیروان سے طنجہ تک شمال افریقہ کی فتح میں مدوجزر کی کیفیت نظر آتی ہے۔ موجیں پے در پے اُٹھتی ہیں، دُور تک بڑھتی چلی جاتی ہیں، کبھی سمٹ کر واپس آجاتی ہیں، پھر آگے بڑھتی ہیں۔ یہ سلسلہ یونہی جاری رہتا ہے تاآنکہ یہی موجیں ایک سیلِ رواں بن جاتی ہیں جو کسی کے تھامے نہیں تھمتا۔

طارق اور موسیٰ بن نُصَیر

سنہ ۹۱ھ میں موسیٰ بن نُصَیر شمال افریقہ کا والی تھا۔ طنجہ تک سارا مغرب اقصیٰ اسلام

---

[1] خزان = Reservoir.

Marfat.com

کے زیرنگیں آچکا تھا۔ بربر اسلام کے حلقہ بگوش اور عرب کے موالی بن کر فتح اسلامی کے نئے میدان تلاش کر رہے تھے۔ عین اس وقت اندلس کے اندرونی حالات اور وہاں کے امراء کی آپس کی رقابتیں بیرونی طاقتور حکمراں کی منتظر دکھائی دیتی تھیں۔ سبتہ[1] اندلس کے تابع تھا لیکن وہاں کا نصرانی حاکم یُلیان[2] مرکزی حکمرانوں کی چیرہ دستی سے نالاں تھا اس کی طرف سے اشارہ پاکر موسیٰ بن نُصیر کے دو موالی طریف اور طارق، جو طنجہ کے پاس کے علاقہ میں فوج کے نگراں تھے، اندلس کی مہم پر روانہ ہوگئے۔ طریف بربری رمضان ۹۱ھ میں سو سوار اور چار سو پیادہ کا دستہ لے کر سبتہ سے کشتیوں میں روانہ ہوا اور "مجاز الزقاق"[3] جس کا عرض صرف تیرہ میل ہے، عبور کر کے دوسری طرف "الجزیرۃ الخضراء"[4] کے ساحل پر اس جگہ اترا جو آج بھی اس کے نام سے موسوم[5] ہے۔ طریف کی مہم استطلاعی[6] تھی۔ وہ امکانات کا جائزہ لے کر مالِ غنیمت کے ساتھ لوٹا۔ ۹۲ھ میں طارق بن زیاد اسی راستہ 'مجاز' (آبنائے) عبور کرتا ہوا مقابل ساحل کے اس نقطہ پر اترا جو آج "جبل طارق" کہلاتا ہے۔ طارق کی قیادت میں بارہ ہزار سپاہی تھے جن میں بہت تھوڑے عرب اور باقی سب بربر تھے۔ طارق خود افریقی یا ایرانی[7] تھا، عرب کے ساتھ اس کا صرف وَلاء[8] کا رشتہ تھا، تاہم اس کی تقریر اس قابل ہوئی تھی کہ ضبط تحریر لائی جائے۔ فتح اندلس کی مہم کا آغاز کرتے ہوئے اس نے اپنے ساتھیوں کو ان الفاظ میں مخاطب کیا:۔

---

[1] Ceuta.

[2] Julian.

[3] مجاز = آبنائے ؛ زُقاق = پتلی گلی۔ (آبنائے جبل طارق)۔

[4] Algeciras.

[5] Tarifa.

[6] استطلاع = Reconnaisance.

[7] طارق کو بعض بربری قبیلہ نفزہ سے بتاتے ہیں اور بعض کہتے کہ وہ ہمذان کا رہنے والا ایرانی تھا

[8] وَلاء = وفاداری یعنی خون کا رشتہ اور حسب و نسب کا تعلق نہ ہوتے ہوئے کسی قبیلہ کا وفادار بن جانا۔ (نفح الطیب ۱/۱۱۹)

Marfat.com

(۱)

"اے لوگو! بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟ پیچھے سمندر ہے اور آگے دشمن۔ بخدا تمہارے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ ڈٹ جاؤ اور کھرے ثابت ہو۔ جان لو کہ اس جزیرہ میں تمہاری حیثیت اس یتیم سے بھی گئی گذری ہے جو کسی لئیم کی ضیافت میں آموجود ہو۔ تمہارا دشمن لشکر اور اسلحہ کے ساتھ تمہارے مقابلہ کو آیا ہے، سامان خورد و نوش بھی اس کے پاس وافر ہے، اِدھر تمہارا یہ حال ہے کہ تلواروں کے سوا تمھارے پاس کوئی ہتھیار نہیں، خورد و نوش کے لئے بھی تمھارے پاس صرف اتنا ہی ہے جتنا تم دشمن کے ہاتھوں سے چھین سکو۔ اگر اسی طرح بے سروسامانی میں وقت گذرتا چلا گیا اور تم نے کچھ کر نہ دکھایا تو تمہارا بھرم کھل جائے گا اور جن دلوں میں تمھارا رعب بیٹھا ہوا ہے وہی پھر تمہیں خاطر میں نہیں لائیں گے۔ لہٰذا تم انجام کار ایسی رسوائی سے بچنے کے لئے فوراً اس مغرور سے نپٹ لو، اس کے قلعہ بند شہر نے اسے باہر نکال کر تمھارے سامنے ڈال دیا ہے۔ تم اس موقع سے پورا فائدہ اٹھا سکتے ہو بشرطیکہ تمہیں اپنے لئے موت گوارا ہو۔ جس بات سے تمھیں آگاہ کر رہا ہوں میں خود اس سے بے پروا نہیں ہوں۔ میں تمہیں ایسے راستہ پر چلاؤں گا جس میں متاعِ جاں سب سے زیادہ ارزاں ہوتی ہے، ابتداء میں خود اپنے آپ سے کرتا ہوں، یہ یاد رکھو کہ اگر تم نے تھوڑے عرصہ تکلیفوں پر صبر کیا تو مدّتوں عیش و آرام سے لطف اندوز ہوگے اور مزہ لوگے۔ ایسا نہ کرنا کہ سب اپنے لئے رکھ لو اور مجھے بھول جاؤ، اس میں تمھارا حصّہ میرے حصّہ سے زیادہ نہیں ہوگا۔ تم جانتے ہی ہو کہ اس جزیرہ میں کیسی حسین حوریں تخلیق ہوتی ہیں؛ دخترانِ یونان جو گوہر و مرجان کے ساتھ زرباف ملبوسات میں محوِ خرام ہوتی ہیں اور تاجدار بادشاہوں کے محلات میں پردہ کرتی ہیں۔ الولید بن عبدالملک امیرالمومنین نے تم کو بہادروں کا نمونہ منتخب کیا ہے اور وہ خوش ہوں گے کہ تم اس جزیرہ کے بادشاہوں کے داماد بہنوئی بنو۔ الغرض یقین ہے کہ نیزہ بازی تمہارا محبوب شغل ہے۔ وہ تم سے خواہشمند ہیں کہ بہادروں اور شہسواروں سے نبرد آزما ہو تاکہ اس جزیرہ میں اللہ کا بول بالا کرنے اور اس کے دین کو نمایاں کرنے پر جو ثواب ملے اس میں وہ تمہارے شریک ہوں، لیکن غنیمت خالص تمہارے لئے ہوگی، اس میں نہ امیرالمومنین کا حصّہ ہوگا اور نہ تمہارے

Marfat.com

سوا باقی مومنین کا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری امداد کا کفیل ہے ان تمام کاموں میں جن کی بدولت دنیا اور آخرت میں تمہارا نام ہوگا۔ یہ نہ بھولو کہ تمہیں جس کام کے لئے دعوت دے رہا ہوں میں خود اس کی طرف سب سے پہلے اقدام کروں گا۔ جیسے ہی دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ ہوگی میں خود ان لوگوں کے متکبر سرغنہ لُذرِیق[1] پر حملہ کرکے اسے قتل کردوں گا انشاء اللہ تعالیٰ، تم بھی میرے ساتھ حملہ کرنا۔ اگر میں لذریق کو مار کر مرا تو تمہیں اس کے جنجال سے نجات دلا چکا ہوں گا اور تمہیں کوئی نہ کوئی سمجھ بوجھ رکھنے والا بہادر مل ہی جائے گا جسے تم اپنے معاملات کی قیادت سونپ سکو۔ اور اگر میں لُذرِیق تک پہنچنے سے پہلے ہی مر جاؤں تو میری جگہ اس منصوبہ کو تم اپنا لینا اور تم خود اس پر حملہ کرنا۔ اس کے قتل کرنے سے اس جزیرہ کو فتح کرنے کا تمہارا منصوبہ پورا ہو جائے گا اس لئے کہ اس کے بعد یہ سب چھوڑ بھاگیں گے "۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وادی لَکۃ[2] (بَکۃ ؟) کے پہلے معرکہ میں طارق نے سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ پوری فوج نے طارق کی توقعات پوری کر دکھائیں۔ لُذرِیق زخمی ہونے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لاپتہ ہو گیا۔ یہ معرکہ فیصلہ کن ثابت ہوا۔ اس کے بعد دشمن کے ایسے قدم اُکھڑے کہ مسلمان اندلس کے تمام شہروں کو بآسانی روندتے چلے گئے۔

(۲)

فتح کی خوشی میں طارق نے ایک قصیدہ نظم کیا تھا جس کے تین شعر ہم تک پہنچے ہیں :-

"ہم 'مجاز' میں کشتیوں پر سوار ہوئے جن کی درزیں قیر (معدنی ڈامر) سے
پاٹی گئی تھیں۔
اس امید میں کہ اللہ نے ہم سے خرید لیا ہے
جان، مال اور اہل وعیال کو اس جنت کے بدلہ میں[3]
جس میں جب بھی ہم کسی چیز کی خواہش کریں گے تو وہ مل جائے گی۔

---

[1] Roderick.

[2] لکۃ = Lago. یعنی بحیرہ جہاں نہر البرباط (Barbate). کا منبع ہے۔

[3] اشارہ بہ آیت قرآن، التوبۃ ۱۱۱: اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ

Marfat.com

ہمیں پروا نہیں کہ ہماری جانیں کس طرح لگاتار قربان ہوتی ہیں
جبکہ ان سے کہیں زیادہ قابل قدر چیز ہم کو حاصل ہوتی ہے۔"

ابن سعید المغربی (ساتویں صدی ہجری) کی رائے میں "ان ابیات کا قائل عالی مرتبت ہے، ابیات اونچے درجہ کے نہیں۔ حقیقت میں یہ "قول شاعر" نہیں بلکہ ایک مرد مجاہد کے سیدھے سادے سچے اور پرخلوص الفاظ ہیں جو اپنی ملت کو 'شکوہِ خسروی' دے چکا تھا۔

موسیٰ بن نُصیر کو، جو خود مَوالی میں سے تھا، جب طارق کے کارناموں کی خبر ملی تو ثواب اور غنیمت میں شریک ہونے کے لئے ۹۳ھ میں قیروان سے اندلس پہنچا۔ کہتے ہیں کہ اسے طارق سے حسد اور یک گونہ منافرت پیدا ہو گئی تھی، لیکن اقبال مندی کے دور میں آپس کا حسد اور منافرت بھی دشمنوں کے لئے مزید عذاب کا باعث بن جاتی ہے۔ موسیٰ نے ساحلِ اندلس پر قدم رکھتے ہی کہا کہ "بخدا میں اس راستہ پر نہیں چلونگا جس پر طارق چلا ہے" چنانچہ ایک طرف طارق چلا دوسری طرف موسیٰ دونوں جداگانہ طور پر اندلس کے مختلف شہر اور مختلف علاقے فتح کرتے چلے گئے۔ بالآخر دونوں طُلَیطُلَۃ[1] میں ملے۔ طارق نے موسیٰ سے کہا:۔

"میں اس وقت تک باز آنے والا نہیں جب تک کہ بحر محیط پہونچ کر اس میں اپنا گھوڑا نہ ڈال دوں" طارق کے سامنے عقبہ بن نافع کی مثال تھی جس نے تیس سال قبل سُوس اقصیٰ[2] کی فتح کے دوران بحرِ ظلمات میں اپنا گھوڑا دوڑایا یہاں تک کہ پانی گھوڑے کے پیٹ سے آلگا، تب اُس نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا:۔ "اے رب! اگر سمندر میری راہ میں حائل نہ ہوتا تو میں ذوالقرنین کی طرح آگے بڑھتا چلا جاتا، تیرے دین کی حفاظت کرتا اور کافروں سے لڑتا۔" چنانچہ اس کے بعد بھی فتح کا سلسلہ جاری رہا اور طارق نے جلیقیۃ[3] کو روندتے ہوئے بحر محیط (ظلمات) کا ساحل گھوڑے کی ٹاپوں سے چھو لیا[4]۔ تا آنکہ ۹۵ھ میں خلیفہ

---

[1] Toledo.

[2] السوس الاقصیٰ = Anti-Atlas. ساحل افریقہ پر عین اس جگہ کا نام جہاں عقبہ نے گھوڑا سمندر میں ڈالا تھا۔ "ماسّہ" ہے۔ ابن عذاری ۱/۲۷۔

[3] جلیقیہ۔ Galicia. • [4] نفح الطیب ۱/۱۱۳

Marfat.com

الولید کے حکم سے موسیٰ اور طارق دونوں دربار میں حاضری دینے کیلئے واپس دمشق روانہ ہوئے۔ جب دمشق پہونچے تو الولید مرض موت میں مبتلا تھا۔ اس کے انتقال پر سلیمان بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ اس نے موسیٰ سے پوچھا کہ "جب تم لڑائی لڑتے اور دشمن کا مقابلہ کرتے تھے تو اپنا دل مضبوط رکھنے کے لئے کیا کرتے تھے؟" اس نے کہا "میں لڑائی کے وقت خشوع وخضوع، دعا، اور صبر پر تکیہ کرتا تھا"۔ موسیٰ کے اس جملہ سے جس للّٰہیت کی تراوش ہوتی ہے وہی للّٰہیت طارق کے مذکورہ بالا ابیات سے جھلکتی ہے۔ سلیمان کا عام مزاج کچھ ایسا تھا کہ اپنے فوجی امرا کی کامیابی اور خاص طور پر دُور دراز کے علاقوں میں ان کی بڑھتی ہوئی طاقت سے اپنے لئے خطرہ محسوس کرتا تھا۔ اپنے کامیاب اور طاقتور فوجی امرا کو نیچا دکھا کر ہی سلیمان اپنے آپ کو اپنی برتری کا یقین دلاتا تھا۔ ادھر ان مجاہدین کے اخلاص اور وفاداری کا یہ حال تھا کہ جب سلیمان کے ہاتھوں موسیٰ ذلت اور خواری کے دن گذار رہا تھا تو یزید بن المھلب نے اس سے پوچھا کہ جب تمھیں مال، عزوجاہ سب حاصل تھا تو وہیں کیوں نہ رہے؟ جب حسنِ سلوک کا یقین کر لیتے تب آتے۔ اس نے کہا بخدا اگر میرا خیال ایسا ہوتا تو یہ میرا بال بیکا نہ کر سکتے، لیکن مجھے تو اللہ اور اس کے رسول کی خوشی منظور تھی۔ اطاعت اور جماعت کے حلقہ سے باہر نکلنا کسی حال میں مجھے گوارا نہ تھا[۱]۔ بالکل ایسی ہی بات فاتح سندھ محمد بن قاسم نے بھی کہی تھی۔ قُتیبہ بن مسلم نے انھیں حالات سے مجبور ہو کر بغاوت کی۔ اگر یہ تینوں معاصر، جو قائدین کی صف اوّل میں عزت و احترام کے مستحق ہیں، سلیمان بن عبدالملک کی مریض ذہنیت کا شکار نہ ہو جاتے تو شاید بلکہ یقیناً یورپ، چین اور ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔

---

[۱] ابن عذاری ۲/۲۱۔

عبدالعزیز بن موسیٰ بن نُصَیر

موسیٰ بن نصیر نے اندلس سے روانہ ہوتے وقت اپنے بیٹے عبدالعزیز کو اپنی جگہ والی مقرر کیا تھا، نیز عُقبہ بن نافع کے پوتے حبیب کو اس کا وزیر بنایا تھا۔ جہاں تک امورِ سلطنت، فوجی نظم و نسق اور توسیع فتوحات کا تعلق ہے مؤرخین عبدالعزیز کو بہترین والیوں میں سے بتاتے ہیں۔ اس کے باوجود دو سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ ۹۷ھ میں فوجیوں نے اس کے خلاف بغاوت کی اور اسے قتل کر دیا۔ باغیوں میں سرِفہرست اس کے وزیر حبیب کا نام ہے۔ یہ قرین قیاس ہے کہ اس کے قتل میں سلیمان بن عبدالملک کا ہاتھ ہو[1]۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عبدالعزیز کی سیرت میں کچھ باتیں ایسی تھیں جن کی وجہ سے فوج میں عام برگشتگی پھیل گئی تھی۔ تفصیل دلچسپی اور عبرت سے خالی نہیں:۔

(۲)

"باپ کے جانے کے بعد عبدالعزیز نے لُذریق کی بیوی سے، جس کا نیا نام امِّ عاصم تھا، شادی کر لی تھی اور اس کے ساتھ اشبیلیہ[2] میں رہا کرتا تھا۔ امِّ عاصم نے اس سے کہا: جب تک سر پر تاج نہ ہو بادشاہوں کی بادشاہت مسلّم نہیں ہوتی۔ میرے پاس کچھ سونا اور ہیرے بچ رہے ہیں، اجازت دو تو میں ان سے تمہارے لئے تاج بنوا دوں" عبدالعزیز نے اس کو بتایا کہ "اس کی ہمارے دین میں اجازت نہیں" اس نے کہا:۔ تمہارے دینی بھائیوں کو کیا خبر ہوگی کہ تم خلوت میں کیا کرتے ہو" غرضکہ وہ عبدالعزیز کے پیچھے لگی رہی یہاں تک کہ انھوں نے اس کا کہا مان لیا۔ ایک روز اتفاق ایسا ہوا کہ وہ تاج پہنے ہوئے امِّ عاصم کے ساتھ بیٹھے تھے اتنے میں اندلس کے سابق شاہی خاندان کی ایک لڑکی محل میں آئی، اس نے واپس جا کر اپنے شوہر زیاد بن نابغۃ التمیمی سے کہا:۔ میں کیوں نہ تمہارے لئے تاج

[1] ابن القوطیۃ ۲۷

[2] Seville.

بنوا دوں ؟ انھوں نے کہا:۔ ہمارے دین میں تاج پہننا حلال نہیں۔ اس نے کہا! قسم ہے دین مسیح کی، تمہارے بادشاہ اور امام کے سر پر تو تاج رکھا ہوا ہے۔ زیاد نے یہ خبر حبیب کو پہنچائی اور اس کے بعد سارے لشکر میں مشہور ہو گیا کہ عبدالعزیز تو نصرانی ہو گیا ہے۔ چنانچہ لشکر والوں نے اس پر حملہ کیا اور قتل کر ڈالا۔

عام طور سے اس حکایت کی صحت میں شک کیا جاتا ہے، لیکن اس میں تو کوئی شک کی گنجائش نہیں کہ اس دور میں تاج پہننا یا کسرویت اور قیصریت کے کوئی بھی انداز اختیار کرنا ملّت کے لئے ویسا ہی ناقابلِ برداشت تھا جیسا اس حکایت میں بتایا گیا ہے۔ اندلس کی بات تو الگ رہی، مشرق میں بھی ہم یہی دیکھتے ہیں کہ بنو مروان کی حسنات میں، ابن حزم کے قول کے مطابق، ایک یہ ہے کہ

(۴)

" انھوں نے کبھی لوگوں سے یہ نہیں چاہا کہ وہ اپنے کو مولیٰ یا عبد یا مملوک کہیں، یا زمین کو یا ہاتھ کو یا پیر کو بوسہ دیں۔"

ابھی فتح ہی کا دَور تھا، حالات میں استقرار اور حکومت میں استحکام نہ پیدا ہوا تھا کہ مسلمانوں کی جماعت میں افتراق اور فوج میں انتشار خانہ جنگی کی انتہائی حد تک پہنچ گیا۔ ۱۲۲ھ میں شمال افریقہ کے بربر قبائل نے بڑے پیمانہ پر بغاوت کی جس کو فرو کرنے کے لئے ہشام بن عبدالملک نے تیس ہزار سوار بھیجے، ان میں سے دس ہزار بنو امیہ میں سے تھے اور بیس ہزار بقیہ عرب قبائل میں سے۔ اس تیس ہزار عرب فوج کو اپنی مہم میں خاصی دشواری پیش آئی اور بڑے نقصانات اٹھانے پڑے۔ انھیں میں سے بقیہ باقیہ تقریباً دس ہزار شامی عرب ۱۲۳ھ میں اندلس میں داخل ہوئے اور سیدھے ان بربریوں پر ٹوٹ پڑے جو وہاں کی فوج کا غالب عنصر تھے۔ یہاں تک ہوا کہ بربریوں کو شکست دینے کے بعد ان کے بیوی بچوں کو لونڈی غلام بنا کر سر بازار بیچا اور ان کی توہین و تذلیل میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ۱۲۵ھ میں اندلس کے نئے والی ابوالخطّار الحُسام بن ضِرار الکلبی نے بڑی حکمت عملی سے

Marfat.com

شامی عربوں کو اندلس کے مختلف صوبوں میں منتشر کر کے جدا جدا آباد کیا، بربریوں کو غلامی اور ظلم سے نجات دلائی اور دوبارہ اتفاق و اتحاد کی فضا پیدا کی۔ لیکن بالآخر وہ خود قبائلی تعصب کا شکار ہو گیا۔ جب اس نے یمانی عربوں کو نوازا تو مُضَری عرب اس کے خلاف ہو گئے ــــ اقتدار کے لئے یمانی اور مضری عربوں کی باہمی کشمکش تھوڑے ہی عرصہ میں یہ رنگ لائی کہ چار مہینے تک اندلس میں کوئی والی اور حاکم ہی نہ تھا۔ یہ بھی اقبال مندی کا ایک معجزہ تھا کہ ان حالات میں حکومت باقی رہ گئی۔

عبدالرحمٰن الداخل

مشرق میں جب بنو عباس نے بنو امیہ کی حکومت کا خاتمہ کیا اور سابق حکمراں خاندان کے سربرآوردہ افراد کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا تو ایک نوجوان باہمت شہزادہ بھاگ نکلا اور چھپتا چھپاتا، طرح طرح کے بھیس بدلتا ہوا بالکل ہی بے سروسامانی کی حالت میں مغرب اقصیٰ پہونچا۔ اس کی ماں " راح " یا " رَداح " نام کی بربریہ امّ ولد تھی۔ اس رشتہ سے اسے اپنے ننہال بربری قبیلہ نَفزَہ میں پناہ مل گئی۔ یہاں سے اس نے اندلس کے امویوں سے اتصال پیدا کیا اور ان کی امداد کا یقین ہوتے ہی ۱۳۸ھ میں اندلس میں داخل ہو گیا۔ اسی مناسبت سے یہ شہزادہ عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام 'الداخل' کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس وقت اندلس کی اقتصادی اور سیاسی حالت ابتر تھی۔ امویوں کے سہارے عبدالرحمٰن الداخل نے جس عزم و ہمت اور تدبر کا مظاہرہ کیا اسے دیکھ کر وہاں کے مختلف عناصر۔ اولاً یمانی عرب اور بعد کو مضری عرب اور بربر۔ سب ہی رفتہ رفتہ اس کے مطیع ہو گئے۔ اس طرح اموی امارت و خلافت اندلس میں مزید تین صدی کے لئے زندہ و پایندہ ہو گئی اور علم و فن، تہذیب و تمدن کی روشنی سے نہ صرف اپنے گھر کو بلکہ دشمنانِ اسلام کے ظلمت کدوں کو بھی منوّر کرتی رہی۔

عبدالرحمٰن الداخل اعلیٰ ادبی ذوق رکھتا تھا اور خود بلند پایہ شاعر تھا۔ غم نے اس کی جوانی کو لطف خواب سے بیدار کیا تھا، زندگی کے نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے اس کے احساس

Marfat.com

میں اتنی ہی تیزی، گہرائی، لطافت اور نزاکت آگئی تھی جتنی کہ عقل میں پختگی اور طبیعت میں اولوالعزمی اور خود اعتمادی۔ ماضی کی کسک، ہو یا حال کی ترنگ، یا مستقبل کی امنگ، وہ اپنے احساس میں ڈوب کر شعر کہتا ہے۔ اس کے رومان میں ایک حیَویّت ہے جو صرف مردانِ عمل کا خاصہ ہے۔ اندلس کے سبزہ زار میں جہاں حسن فطرت بھرپور اور فراواں ارزاں تھا ریگ زار عرب سے کھجور کا پودا منگا کر اپنے محل کے سامنے نصب کرنا کتنا بڑا رومانی شاہکار تھا۔ اس رومان میں کیسی طہارت اور پاکیزگی ہے! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرصت کے اوقات میں وہ ٹکٹکی باندھے اس کھجور کے درخت کو دیکھا کرتا تھا، لیکن وہ بت کی طرح اس کی پرستش نہیں کرتا، بلکہ اس کے وجود سے اپنے احساس میں گرمی اور تیزی پیدا کرتا ہے، پھر اس مظہرِ فطرت کو اپنی زندگی اور احساس بخشتا ہے، یہی رومان کی حیَویّت ہے۔ نخل و شجر کے مجسّم رومان کو حرف وصوت میں یوں پیش کرتا ہے :۔

(۵)

"اے نخل! تو مغرب میں میری ہی طرح غریب الوطن اور اصل سے دُور ہے۔
تو بھی رو۔ مگر جو گونگی ہو، منہ ڈھانکے ہوئے ہو اور جس کی جبلت میں آہ وزاری
نہ ہو، وہ بھی کبھی روئی ہے؟
اگر اسے رونا آتا ہوتا تو وہ ضرور روتی فُرات کے پانی اور نخل کی سرزمین کیلئے
لیکن وہ بے حس ہے، اور اپنے اہلِ خاندان کی بابت مَیں بھی بے حس ہوگیا ہوں
بہ سبب اس بغض کے جو مجھے بنو عباس سے ہے۔"

(٦)

اسی سے ملتا جلتا نخل سے خطاب ایک اور قطعہ ہے :۔

"ایک کھجور کا درخت (مُنیَۃ) الرُّصافۃ[1] کے بیچ میں میرے پیش نظر ہے۔

---

[1] "مُنیۃ الرُّصافۃ" ایک باغ تھا جو عبدالرحمٰن بن معاویہ نے قرطبہ کے شمال مغرب میں لگایا تھا۔ شام میں اس کے دادا ھشام کے باغ کا نام رُصافۃ تھا۔ عبدالرحمٰن کی بہن جو شام میں تھی وہ اسکو وہاں سے پودے بھیجا کرتی تھی۔ نفح الطیب ۲۱۷/۱۔ مُنیۃ = باغ (معرب از یونانی)

Marfat.com

جوارضِ مغرب میں آکرنخل کی سرزمین سے دور ہوگیا ہے۔
مَیں نے کہا: تو بھی میری ہی طرح ہے غربت میں، فراق میں
اور اپنے آل اولاد سے طول طویل دوری میں۔
تو نے ایسی سرزمین میں پرورش پائی ہے جہاں تو غریب الوطن ہے
دُوری اور جدائی میں تیری مثال ویسی ہی ہے جیسی کہ میری۔
صبح کے بادل تجھے بارش سے سیراب کریں۔
وہ بارش جو موسلا دھار ہوتی ہے اور سماکین[1] سے مسلسل پانی لےکر نیچے گراتی ہے۔
اسی کا آزاد ترجمہ اقبال نے یوں کیا ہے:۔

میری آنکھوں کا نور ہے تو میرے دل کا سرور ہے تو!
اپنی وادی سے دور ہوں مَیں میرے لئے نخل طور ہے تو!
مغرب کی ہوا نے تجھ کو پالا، صحرائے عرب کی حور ہے تو!
پردیس میں ناصبور ہوں میں پردیس میں ناصبور ہے تو!

غربت کی ہوائیں باردر ہو
ساقی تیرا نم سحر ہو!

اس نظم کا دوسرا بند اقبال کا طبع زاد ہے اسے ترجمہ کہنا بے جا ہوگا۔
یہ اشعار عربی ادب میں ایک نئے موڑ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جس طرح عبدالرحمٰن الداخل نے ایک نئی حکومت وسلطنت کی بنیاد ڈالی اسی طرح ادب میں بھی نئے معانی اور نئے اسالیب کی ابتدا کی۔ یہ کام صرف ایک باذوق بادشاہ ہی انجام دے سکتا تھا جو دوسروں کی خوشی کے لئے قصیدہ مدحیہ سے بے نیاز ہو، جو اپنے داخلی جذبات کے دباؤ سے مجبور ہوکر تنفیس[2] اور تسکینِ خاطر کے لئے بے اختیار شعر کہے، اور جو سیاست کی طرح ادب میں بھی طرز کہن کو بدلنے سے نہ جھجکے۔

---

[1] دو ستاروں کا نام ہے۔
[2] تنفیس۔ غم کا بیان کر کے دل ہلکا کرنا۔

بادیہ نشین عرب اور طبیعة دونوں کا چوبیس گھنٹہ کا ساتھ تھا، لیکن عرب طبیعة کو ایک بخیل اور بے درد ساتھی سمجھتا تھا۔ طبیعة اس سے سخت سے سخت کام لیتی تھی اور کبھی حالِ دل نہیں پوچھتی تھی۔ بعد کو جب دولت و ثروت کی فراوانی ہوئی تو طبیعة لہو و لعب کا مسرح اور آرائش پس منظر بن گئی۔ الغرض وصف الطبیعة یعنی منظر کشی تو عام ہے اور چونکہ عرب جزئیات پر دقیق نظر رکھتا ہے اس لئے بسا اوقات یہ منظر کشی اعلیٰ درجہ کی ہے لیکن طبیعة کو اپنے احساسات کے افق میں گم کر کے اس سے مناجات اور سرگوشی کرنے کی مثال نادر ہے۔ مشرق میں اس کی ایک نمایاں مثال مُطیع بن ایاس[1] کی ہے۔ جب وہ رَی (ایران) میں مقیم تھا تو اس کے پڑوس میں ایک دہقان کی بیٹی رہتی تھی جس کی محبت اسکے دل میں گھر کر گئی تھی۔ مطیع اس کی یاد دل میں لئے رَی سے لوٹا تو راستہ میں حلوان کے قریب دو کھجور کے درخت نظر پڑے جو پاس پاس کھڑے ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے۔ ان کو مخاطب کر کے اس نے کہا:۔

(۷)

"اے دو نخلِ حُلوان! تم میرے ساتھ روؤ۔
اور مجھ پر ترس کھاؤ کہ اس زمانے نے میرے اوپر کیا مصیبت ڈھائی ہے۔
تم بھی یاد رکھو کہ زمانے کی گردش ہمیشہ سے دوستوں اور پڑوسیوں کو جدا کرتی آئی ہے۔
جان کی قسم، اگر تم نے الِم فرقت چکھا ہوتا تو تم کو بھی رُلا دیتا وہ غم، جو مجھے رُلا رہا ہے۔
تم میرے ساتھ روؤ، اور یقین رکھو کہ کوئی نحوست عنقریب تم پر بھی آئے گی
اور تم ایک دوسرے سے جدا ہو جاؤ گے۔
مجھے تو زمانے کی گردش نے بسا اوقات دوست احباب کی فرقت کا نشانہ بنایا ہے۔
لیکن پہلے کبھی میرے دل کی وہ کیفیت نہیں ہوئی جو کہ بنتِ دہقان کی فرقت کے باعث ہے۔

---

[1] بنو امیہ کے آخری اور بنو عباس کے ابتدائی دور کا شاعر ہے۔

Marfat.com

وہ رَی میں میری پڑوسن تھی، فکر کو میرے پاس نہ آنے دیتی تھی
اور اس کا قرب مجھے اپنے سارے غم بھلا دیتا تھا ..... الخ "

ان اشعار کی بدولت "نخلتی حُلوان" (دو نخل حلوان) عربی ادب میں زندۂ جاوید اور درد آشنا ادب نوازوں کے نزدیک مقدس بنگئے۔ خلیفہ منصور نے ان کی حفاظت کی تاکید کی۔ مہدی نے ان کی نگہداشت اور آبیاری کے لئے آدمی مقرر کئے۔ ہارون رشید نے لاعلمی میں ان میں سے ایک درخت کٹوا دیا تو بعد میں بہت غمگین ہوا کہ وہ اس جوڑے کے لئے نحوست بنا۔ یہ سب کیا تھا؟ معشوق کی جُدائی میں رونے والے بہتیرے شاعر تھے اور کھجور کے درخت بھی گو حلوان میں ویسے ہی غریب الوطن تھے جیسے اندلس میں تاہم اگر ان سے رومان وابستہ نہ ہو تو کسی اہتمام کے لائق نہ تھے۔

"نخلتی حُلوان" اگر مقدس بن گئے تو صرف اس لئے کہ مطیع بن ایاس نے اپنا دردِ دل سینہ سے نکال کر فطرت میں ودیعت کر دیا اور کائنات پر پھیلا کر اسے ہمہ گیر اور بے کراں بنا دیا۔ اس جدت کو سب نے محسوس کیا اور قدر کی نگاہوں سے دیکھا۔ اس کے مقابلہ میں ایک اور اموی شاعر نے کھجور کے درختوں کی منظر کشی کی جو ہوا میں ایک دوسرے سے ٹکراتے تھے اور کہا "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ چنچل لڑکیاں کھیل کھیل میں ایک دوسرے کی لٹیں پکڑ کے کھینچ رہی ہیں"[1]۔ تھوڑی سی واہ واہ ہوئی کہ تشبیہ اچھی ہے اور بات ختم ہو گئی۔

"تجاذب مع الطبیعۃ" یعنی فطرت سے اثر لینا اور فطرت کو اثر دینا، فطرت کے جمود کو توڑنا، اس کو ذی روح اور ذی حس کی سطح پر لانا، پھر اسے شریک اور راز داں بنا کر اپنے آپ کو گھٹن سے نجات دینا۔ اس کی ابتدا اندلس میں عبدالرحمٰن الداخل سے ہوئی اور یہی آگے چل کر اندلس کی عربی شاعری کی امتیازی صفت بن گئی۔ ماضی کی یاد، حَنین[2] مجبوری اور تنہائی اسکے رومانی عناصر ہیں اور ان کی تربیت کے لئے غریب الوطنی کی فضا ہی سازگار ہو سکتی ہے جیسی کہ اندلس میں تھی یا پھر موجودہ زمانہ میں عرب جالیات[3] کے لئے مَہجر (امریکہ)

---

[1] مفضلیۃ المرّار بن مُنقذ، بیت ۷۔
[2] حَنین = وطن کی، ماضی کی یاد، Nostalgia.
[3] جالیات = Emigrants.

میں ہے۔ چنانچہ ہجر کے عربی ادب میں بھی اس کی صدائے بازگشت سُنائی دیتی ہے۔
عبدالرحمٰن الداخل کو شام کی یاد ویسے ہی ستاتی تھی جیسے ایک بچھڑے ہوئے دُور اُفتادہ عاشق کو محبوبہ کی یاد ستاتی ہے۔ اس کا اندازہ ان ابیات سے ہوتا ہے جو اس نے شام میں رہنے والی اپنی بہن کے نام لکھ کر بھیجے تھے :-

(۸)

" اے میرے دیس کو جانے والے مسافر!
میرے اپنے ایک لخت کو دوسرے لخت کا سلام پہنچانا۔
جیسا کہ تو جانتا ہے میرا جسم ایک سرزمین میں ہے۔
اور دل اور دل کے مالک دوسری سرزمین میں ہیں۔
ہمارے لئے فراق مقدر تھا۔ چنانچہ ہم جدا ہوگئے۔
اور فراق نے میری آنکھوں سے نیند کو رخصت کر دیا۔
اللہ نے ہمارے فراق کا حکم دیا۔
اسی سے آس لگی ہوئی ہے کہ وہ ہمارے وصال کا بھی حکم دے گا۔"

فخر عربی شاعری کا قدیم ترین موضوع ہے اور ہجو کا توأم ہے۔ قبائلی نظام معیشت میں شعر گوئی کا سب سے بڑا محرک ایک ہی تھا: اپنی بڑائی اور دوسروں کی بُرائی۔ دونوں ایک ہی سکّہ کے دُو رُخ ہیں۔ اس میں شاعروں نے تخیل اور زورِ بیان کی ساری قوتیں صرف کر دی ہیں۔ لیکن عبدالرحمٰن الداخِل کے کارنامے شاعرانہ خیال سے بھی بلند ہیں۔ وہ تخیل کا سہارا لئے بغیر سیدھے سادے الفاظ میں بیان کرتا ہے تو تصور کی بلند پروازیاں اور تصویر کی گلکاریاں سب ماند پڑ جاتی ہیں۔ جب عبدالرحمٰن کی امارت و سلطنت قائم و مستحکم ہوگئی تو دُور دُور سے اس کے قریبی اور دُور کے قرابت دار اس کے پاس آنے شروع ہوئے اور حق کے طالب ہوئے۔ ان میں سے ایک نے جو کچھ پایا اس سے خوش نہ ہوا اور مزید کا امیدوار ہوا۔ اس کو عبدالرحمٰن نے بلا مبالغہ، بلا تکلف، سلیس نظم میں جواب دیا :-

Marfat.com

(۹)

کتنا فرق ہے اس میں جو منہ لپسور کر اٹھ کھڑا ہوا
اور قدرِ قلیل تھوڑا سا لے کر چل دیا۔
اور اس میں جو عزم کی تلوار سوت کر چلا، اور دشمنوں کے مقابلہ میں شمشیر برہنہ ہو گیا۔
بیابانوں سے گذرتا اور سمندر کو چیرتا چلا گیا،
موجوں سے اور بے سرو سامانی سے نبرد آزما ہوا۔
تاآنکہ بلند کارنامہ انجام دیا اور بزور ایک مُلک چھین لیا اور ایک منبر قول فیصل کا۔
لشکر جو نابود تھا اسے از سرِ نو منظم کیا۔
اور شہر جو خالی ہو چکے تھے انھیں دوبارہ آباد کیا۔
پھر اپنے سارے رشتہ داروں کو جو دُور دُور تھے کہلا بھیجا کہ آؤ، اس کو اپنا گھر سمجھو۔
چنانچہ یہ بھوک کا مارا آیا۔
تلوار نے اسے اس کے ساتھیوں سے جدا کر دیا تھا اور مار مار کے صفایا کر دیا تھا۔
اسے امن نصیب ہوا اور پیٹ بھر کھانے کو ملا،
دَولت ملی، اور بچھڑے یار ملے،
کیا اِس (آنے والے) پر اُس (بلانے والے) کا حق ایک محسن اور آقا سے بڑھ کر نہیں؟

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور، عبدالرحمٰن الداخل کا سب سے بڑا حریف اور سب سے بڑا مدّاح تھا۔ ان ابیات میں عبدالرحمٰن نے جو کچھ اپنی بابت کہا اس کی تصدیق تقریباً انھیں الفاظ میں اس کے انصاف پسند حریف سے منقول ہے۔

(۱۰)

ایک مرتبہ منصور نے اپنے ندیموں سے پوچھا:۔ بتاؤ "صَقر (شاہین) قُریش" کون ہے؟ انھوں نے کہا:۔ امیرالمومنین ہی ہیں جنھوں نے بادشاہوں کو زیر کیا، خلفشار دُور کیا، دشمنوں کا خاتمہ کیا، اور مفاسد کا قلع قمع کیا" منصور نے کہا:۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی" انھوں نے

Marfat.com

کہا:۔ تو پھر معاویہ؟ اس نے کہا:۔ وہ بھی نہیں۔ انھوں نے کہا:۔ تو پھر عبدالملک بن مروان؟۔ اس نے کہا:۔ یہ بھی کوئی بات نہ ہوئی۔ انھوں نے کہا:۔ امیرالمومنین! پھر اور کون ہو سکتا ہے؟ اس نے کہا "صقر قریش" تو عبدالرحمٰن بن معاویہ ہے جس نے سمندر پار کیا، بیابان طے کیے، اور یکہ و تنہا ایک عجمی ملک میں داخل ہو کر شہر آباد کیے، لشکر منظم کیے، دفاتر ترتیب دیے، اور سب کچھ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد حسنِ تدبیر اور زورِ بازو سے ایک بڑی سلطنت قائم کی۔ معاویہ نے تو ایک ایسی سواری کو قابو کیا جس پر انھیں عمر اور عثمان نے بٹھایا تھا اور خوب سدھا دیا تھا، عبدالملک کے پاس بیعت تھی جس کی گرہ خوب مضبوط تھی، امیرالمؤمنین (منصور) کے حق میں خاندان والوں کا اصرار اور طرفداروں کا اجتماع تھا۔ اور عبدالرحمٰن تو یکہ و تنہا تھا، اس کی تائید میں صرف اس کی رائے تھی اور اس کا ساتھ دینے والا صرف اس کا عزم تھا، اس نے مضبوط بنیادوں پر اندلس میں خلافت قائم کی، سرحدیں فتح کیں، بے دینوں کو قتل کیا اور بڑے بڑے باغیوں کو زیر کیا" اس پر سب حاضرین بولے "بخدا امیرالمؤمنین! آپ نے بالکل سچ کہا"۔

"صقر" (شاہین) رمز ہے ان تمام صفات کا جو عبدالرحمٰن الداخل کی سیرت اور اس کے کارناموں میں جلوہ گر ہیں۔ ان کو سامنے رکھیے تو معلوم ہو گا کہ اقبال کا شاہین اسی صقر قریش کا چربہ ہے۔ کم از کم صقر کی رمزیہ حیثیت کا سراغ اسی سے ملتا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اندلس کی تاریخ و ادب اور آثار اقبال کے لیے خاص طور پر مصدرِ الہام تھے۔

Marfat.com

ہشام بن عبدالرحمٰن الداخل

(۱۱)

۱۷۲ھ میں عبدالرحمٰن الداخل کی وفات پر ان کے بیٹے ہشام خلیفہ ہوئے۔ ہشام دینداری کے لئے مشہور ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز کے ہمسر مانے جاتے ہیں۔ انھوں نے خاص اہتمام سے قرطبہ کے پل کی اصلاح و مرمت کرائی۔ بے دریغ مال خرچ کیا، خود نگرانی کرتے تھے، اپنے سامنے مزدوری ادا کراتے تھے۔ اس پر کچھ لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ "انھوں نے تو اپنے سیر و شکار کے لئے پل بنوایا ہے"۔ عامۃ الناس کی یہ بات اُڑتے اُڑتے ہشام کے کان تک پہنچی تو انھوں نے قسم کھالی کہ "غزوہ اور مصلحتِ عامہ کے علاوہ اور کسی مناسبت سے وہ اس پل پر سے گذریں گے ہی نہیں"۔ اور پھر ساری عمر قسم کا پاس کیا۔

لسان الدین ابن الخطیب کہتے ہیں:۔ بادشاہوں کے ساتھ لوگوں کا یہی حال ہے، اگر پل بنایا تو کہتے ہیں: اپنے سیر و شکار کے لئے بنایا ہے۔ فرض کرو ایسا ہو بھی تو اس میں ان کا کیا نقصان ہے، پل سے انھیں جو منفعت حاصل ہے اس میں تو کوئی کمی نہیں آتی، انھیں تو چاہئے تھا کہ خدا سے دعا کرتے کہ سیر و شکار میں برکت دے جس کے طفیل پل کی تعمیر عمل میں آئی۔ اور اگر پل نہ بناتا تو بھی بُرا بھلا کہتے کہ یہ کام نہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بادشاہوں پر بیٹے باپ اور گدھے کا قصہ پورا پورا صادق آتا ہے۔

(۱۲)

ہشام کے حاشیہ برداروں میں ایک شخص تھا۔ ایک مقدمہ میں قاضی مُصعب بن عمران نے اس کے خلاف فیصلہ صادر کیا اور جس مکان میں وہ رہتا تھا اس سے بے دخل کر دیا۔ وہ سیدھا ہشام کے پاس گیا اور کہا کہ قاضی نے میرے خلاف فیصلہ صادر کیا ہے اور جس مکان میں مَیں رہتا تھا اس سے بے دخل کر دیا ہے۔ ہشام نے کہا: "تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ بخدا اگر قاضی میری اس جگہ کی بابت جہاں مَیں بیٹھا ہوں میرے خلاف

Marfat.com

فیصلہ صادر کر دے تو مَیں اسے چھوڑ دوں گا"۔ یہ تھی کیفیت انکے احترامِ شریعت کی۔

(۱۳)

جس زمانے میں ہشام ولی عہد تھا ایک شخص "اٹھوادی" ان کے پاس آیا اور کہا کہ فلاں آدمی مر گیا ہے اور اس نے زمین چھوڑی ہے جس سے اتنا اتنا غلہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ زمین قرضہ یا وصیت میں فروخت ہو رہی ہے۔ زمین نرم، شاداب، بارآور اور زرخیز ہے۔ اس نے اصرار کیا کہ ہشام اس کو خرید لیں۔ ہشام نے کہا:- "مجھے تو وہ چیز حاصل کرنی ہے کہ اس کے حاصل ہوتے ہوئے اس زمین کی کوئی حقیقت نہ رہے گی، اور اگر وہ چیز حاصل نہ کر سکا تو یہ زمین بھی میرے کام نہ آئے گی۔ مجھے تو یہ زیادہ پسند ہے کہ ایک آدمی کے ساتھ احسان کر کے اسے اپنا بنا لوں بجائے اس کے کہ زمین کا مالک بنوں"۔
اٹھوادی نے کہا:- ایسا ہے تو پھر آپ مجھ ہی کو اپنا کیوں نہ بنالیں، میں سب سے بڑھ کر احسان مند ثابت ہوں گا"۔ چنانچہ ہشام نے حکم دیا کہ وہ زمین خرید کر اس کو دیدی جائے۔
ایک شخص جو اس موقع پر موجود تھا خیر خواہی میں بولا "فراہمیِ مال سے حصولِ آمال میں بہت مدد ملتی ہے"۔ ہشام نے سر جھکایا پھر بولے:-

کرم کی حقیقت خرچ کرنا ہے نہ کہ جمع کرنا۔
تم مجھ سے وہ نہ چاہو جس کی میرے اخلاق مجھے اجازت نہیں دیتے۔
زمین کتنی ہی اچھی ہو مجھے اس سے کیا سروکار؟
میرا کام تو یہ ہے کہ شریفوں کو نعمتیں دے کر اپنا بنالوں۔
میرا نصب العین تو پوری مخلوق اور سارے بندوں کی بادشاہت (مُلک) ہے
نہ کہ چند زمینوں کی ملکیت (مِلک)۔
امن کے زمانے میں میری ہتھیلی سے بخشش کا سمندر جاری ہوتا ہے۔
اور لڑائیوں کے الٹ پھیر میں خون کا سمندر۔
تھیلیاں میری ہتھیلی سے پھسل جاتی ہیں اور
تلوار اور قلم کے علاوہ کوئی چیز اس کی گرفت میں نہیں رہتی۔"

Marfat.com

الحَکَم

۱۸۰ھ میں ہشام کے بعد اس کا بیٹا الحَکَم جانشین ہوا۔ الحکم بڑا صاحب تدبیر تھا، ساتھ ہی ساتھ اس کا ارادہ پختہ اور عزم قوی تھا۔ اس نے اندازہ کرلیا تھا کہ عربوں کے آپس کے اختلافات اور عرب اور بربر کی رقابت کے پیشِ نظر کسی بادشاہ کے لئے خواہ وہ کتنا ہی انصاف پسند اور نیک نیّت کیوں نہ ہو چین سے بیٹھنا ممکن نہیں۔ ان سب متضاد عناصر کو بیک وقت خوش رکھنا محال ہے، البتہ انھیں کسی اور طاقت کے ذریعہ قابو میں رکھا جا سکتا ہے اور ایسا کرنا سلطنت کے استحکام اور ملک کی خوشحالی کیلئے ناگزیر ہے۔ چنانچہ جس طرح مماثل حالات میں عبّاسی خلیفہ معتصم نے ترکی فوج کا خاص دستہ تیار کیا اسی طرح الحکم نے صَقلَبیوں[۱] کی ایک خاص فوج ترتیب دی جو ہمہ وقت ہتھیاروں سے لیس اشارہ کی منتظر تیار کھڑی رہتی تھی۔ الحکَم نے جس قدر اپنی فوجی طاقت بڑھائی اسی قدر بے باکی سے اسے استعمال بھی کیا، ملک کے اندر اپنے مخالفین کے خلاف بھی اور سرحدوں پر اغیار کے خلاف بھی۔

الحکم احترامِ شریعت اور عدل گستری میں بھی کوئی کمی نہیں کرتا تھا۔ علماء و فقہاء کا بھی مرتبہ پہچانتا تھا۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ اس کے عہد میں بڑے پیمانہ پر بغاوتیں ہوئیں جن میں خاص طور پر علماء و فقہاء کا ہاتھ تھا۔ مؤرخین ان بغاوتوں کی تعلیل میں مختلف باتیں کہتے ہیں؛ بعض تو کہتے ہیں کہ ان کا سبب "ملال عافیت" کے سوا کچھ نہ تھا[۲]۔ الحکم کے عہد میں حکومت کی ہیبت اور دبدبہ میں اتنا غیر معمولی اضافہ ہو گیا تھا کہ ماضی کی طرح آپس کی

---

[۱] صقلبی : Slav. عرب جنوب مشرقی اور جنوبی یورپ کے سبھی لوگوں پر اسکا اطلاق کرتے ہیں۔ "خرس (گونگے، عجمی) ممالیک" کا فوجی دستہ باقاعدہ طور پر الحکم نے تیار کیا (نفح الطیب ۱/۱۶۰) بعد کو الناصر کے زمانہ میں صقالبہ فوجی اور ملکی معاملات میں زیادہ نمایاں ہوئے اس لئے وہ ان کے سرپرست کی حیثیت سے مشہور ہوا۔

[۲] ابن عذاری المراکشی ۲/۷۲۔

Marfat.com

رستہ کشی اور زور آزمائی کا موقع نہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہر طرف خوشحالی کا دَور دورہ تھا۔ رعایا پر نہ تو مالی واجبات کا بوجھ تھا نہ بیگار کا ظلم۔ بس یوں سمجھنا چاہئے کہ امن وعافیت اور رفاہیت میں رہتے رہتے اکتا گئے تھے اسلئے بلاوجہ بادشاہ کے خلاف سرکشی کرتے تھے۔

لیکن ان بغاوتوں میں جلیل القدر علمار وفقہا کی شمولیت مسلّم ہے۔ اندلس میں اس وقت دو بڑے عالم تھے ایک یحییٰ بن یحیی اللّیثی، دوسرے طالوت بن عبدالجبار المعافری۔ دونوں امام مالک بن انس سے براہ راست "موطّا" کی روایت اور فقہ کا اجازہ لے کر مدینہ سے لوٹے تھے۔ یہ دونوں اس سب سے بڑی بغاوت پر اکسانے والوں میں تھے جو "وقعۃ الرّبض" کے نام سے مشہور ہے۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر دوسرے مورخین کا بیان قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ الحکم میں دوسری خوبیوں کے ساتھ شخصی سیرت کی کچھ کمزوریاں بھی تھیں، وہ مسرفانہ شان وشوکت شاہانہ تنعم اور عیش وعشرت کا دلدادہ تھا ابن حزم کہتے ہیں کہ کھلم کھلا گناہ کرتا تھا[1]۔ علمار اور فقہا رسیرت کے اس پہلو سے چشم پوشی نہیں کرسکتے تھے۔

(۱۴)

چنانچہ انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ لوگوں کو مسجدوں میں شب بیداری کے لئے بلاتے تھے، وہاں زُہد کے اشعار پڑھتے تھے اور بیچ بیچ ایسی باتیں کرتے تھے جن میں الحکم کی طرف چھپا ہوا اشارہ ہوتا تھا۔ مثلاً کہتے تھے: "اے مُسرف! سرکشی میں بڑھے جانے والے! اپنے گھمنڈ کو نہ چھوڑنے والے! اپنے رب کے معاملہ میں بے رُخی برتنے والے! اب نشہ چھوڑ، ہوش میں آجا، اور غفلت سے بیدار ہو جا......"

انھیں باتوں سے باغیوں کا ایک جمِ غفیر قرطبہ کے باہر رَبَض میں جمع ہو گیا لیکن بغاوت منظم نہ تھی اور اس کا کوئی قائد نہ تھا۔

---

[1] نفح الطیب ۱/۱۶۰ - ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ الحکم نے ایک نصرانی ربیع القومس کو بہت سر چڑھایا تھا اور مسلمانوں پر مالی واجبات عائد کرنے کے اختیارات دے دیے تھے۔ اعمال الاعلام ۱۵۔

Marfat.com

(۱۵)

ایک لطیفہ مشہور ہے کہ ایک لوہار اپنا کام کر رہا تھا، سامنے ایک لڑکا بیٹھا اس کی دھونکنی چلا رہا تھا۔ لوہار نے اس ہتھیار بند جم غفیر کو دیکھا تو پوچھا :- "اُن کا رئیس کون ہے؟" جب اسے یہ بتایا گیا کہ "اُن کا کوئی رئیس نہیں" تو اُس نے لڑکے سے کہا :- "لڑکے! دھونکنی چلائے جا اور اپنا کام کئے جا، ان لوگوں سے کچھ ہونا نہیں ہے۔"

چنانچہ الحکم نے بڑی سختی اور اپنی پوری طاقت سے اس بغاوت کو کچل دیا۔ باغیوں کے گھر اور مسجدیں تک ڈھا دیں۔ جو مارے گئے مارے گئے، باقی سب کو جلا وطن کر دیا۔

(۱۶)

یحییٰ بن یحییٰ اللَّیثی (اصل کے اعتبار سے بربری) امام مالک کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ کافی عرصہ مدینہ میں ان کے ساتھ رہے تھے۔ کہتے ہیں ایک مرتبہ وہ امام مالکؒ کی مجلس میں حاضر تھے، اور اصحاب بھی تھے، اتنے میں کسی نے کہا:- "ہاتھی آرہا ہے۔" مالک کے تمام اصحاب اُٹھ کر ہاتھی دیکھنے چلے گئے، یحییٰ نہیں اٹھے۔ مالک نے کہا: کیا بات ہے، تم کیوں نہیں گئے؟ تمہارے ملک میں بھی تو ہاتھی نہیں ہوتا" انھوں نے کہا:- "میں اندلس سے اس لئے آیا ہوں کہ آپ کو دیکھوں اور آپ سے علم اور ہدایت حاصل کروں، مجھے ہاتھی نہیں دیکھنا۔ مالک ان سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا: یہ "عاقل الاندلس" (اندلس کا سب سے بڑا عقلمند آدمی) ہے۔

ربض کی بغاوت میں متہم ہونے کی وجہ سے الحکم نے یحییٰ بن یحییٰ کو بھی شہر بدر کر دیا لیکن پھر امان دے کر بلا لیا۔ ساری زندگی خلفاء کے دربار میں ان کو بہت بڑا مرتبہ حاصل رہا۔ خود انھوں نے قضاء کا عہدہ قبول نہیں کیا لیکن سارے قاضیوں کے تقرر انھیں کے مشورہ سے ہوتے تھے۔ بڑی حد تک انھیں کی وجہ سے اندلس میں مالکی مذہب پھیلا۔

(۱۷)

طالوت بھی جلا وطن کئے گئے لیکن انھیں گھر چھوڑنا اور کسی دوسری جگہ منتقل ہونا گوارا نہ تھا، اس لئے روپوش ہو گئے اور حالات بدلنے کے انتظار میں رہے۔ وہ پورے ایک

Marfat.com

ایک سال ایک یہودی کے گھر میں چھپے رہے۔ یہودی ان کا حد درجہ احترام اور تعظیم کرتا تھا۔ جب ایک سال ہوگیا تو طالوت روپوشی سے اکتا گئے۔ انھوں نے یہودی کو بلا کر اس کے حسنِ سلوک کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں نے کل باہر نکلنے کا ارادہ کیا ہے، فلاں کاتب (ابوالبسام) کے پاس جاؤں گا۔ اس نے مجھ سے پڑھا ہے، میرا "حق التعلیم" اس پر واجب ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ اِس شخص (الحکَم) کے یہاں اسے بڑا مرتبہ حاصل ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ اس سے سفارش کرے گا کہ مجھے امان دے کر اپنے شہر میں رہنے دیا جائے۔ یہودی نے کہا:۔ میرے آقا! ایسا نہ کیجئے، مجھے آپ کے بارے میں ان لوگوں پر بھروسہ نہیں ہے۔ ساتھ ہی اس نے اپنے عقیدہ کے مطابق طرح طرح کی قسمیں کھائیں کہ اگر وہ ساری عمر اس کے پاس رہے تو بھی اسے کسی قسم کی ناگواری نہیں ہوگی اور وہ اس پر بار نہ ہونگے۔ لیکن انھوں نے کوئی بات نہ مانی اور باہر نکلنے پر مُصر رہے۔ یہودی نے اجازت دے دی کہ جو مرضی میں آئے کریں۔ چنانچہ وہ صبح تڑکے اس کاتب کے گھر پہنچے۔ ملاقات کی اجازت چاہی، اس نے اندر بلا لیا۔ جب سامنا ہوا تو اس نے خوش آمدید کہا، اپنے پاس بٹھایا اور دریافت کیا کہ اتنے عرصہ آپ کہاں رہے؟ انھوں اپنا اور یہودی کا قصہ اس کو سُنایا، پھر کہا! تم اس شخص (الحکم) سے میری سفارش کرو کہ مجھے امان دے اور میرے اوپر اتنا احسان کرے کہ مجھے اپنے شہر میں رہنے دے۔ اس نے سفارش کرنے کا وعدہ کیا اور فوراً سوار ہوکر الحکم کے پاس پہنچا، طالوت سے جو کچھ سنا تھا وہ اسے بتایا اور طالوت کی برائی کی۔ الحکم نے طالوت کو بلا کر ڈانٹا ڈپٹا تو انھوں نے کہا: آپ کے خلاف بغاوت میرے لئے کیسے جائز ہوسکتی ہے جبکہ میں مالک بن انس سے سُن چکا ہوں، انھوں نے فرمایا:۔ "ظالم بادشاہ کا طویل عہد بہتر ہے ایک گھڑی کے فتنہ سے"۔ الحکم نے کہا: اللہ تعالےٰ کو حاضر ناظر جان کر کہو، کیا تم نے واقعی مالک سے ایسا سُنا ہے؟ انھوں نے کہا: اللہ شاہد ہے، میں نے ایسا ہی سُنا ہے۔ الحکم نے کہا! تو تم اپنے گھر جاؤ اور چین سے رہو۔ پھر اس نے پوچھا کہ کہاں چھپے رہے تھے۔ طالوت نے کہا کہ یہودی کے پاس سال بھر رہا، وہاں سے اس وزیر (ابوالبسام) کے پاس گیا تو اس نے مجھے دھوکا دیا! اس پر الحکم کو غصہ آگیا اور اس نے ناراض ہوکر ابوالبسام کو وزارت

سے علٰحدہ کر دیا۔ فرمان میں یہ بھی لکھدیا کہ آیندہ کبھی اسے ملازمت میں نہ لیا جائے۔ اسکے بعد ابوالبسام الکاتب کو فقر اور ذلت کی حالت میں دیکھ کر لوگ کہتے تھے کہ اس کو فقیہ طالوت (رحمہ اللہ تعالٰی) کی بد دعا لگ گئی "

(۱۸)

وقعۃ الرَّبَض میں الحکَم نے نہایت بے دردی سے باغیوں کو کچل کر رکھ دیا۔ لیکن اِس کا اُس کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ زندگی کا لطف جاتا رہا۔ اس کے بعد ہی وہ سخت بیمار پڑا اور چار سال تک سخت تکلیف میں مبتلا رہا۔ اس دَوران میں وہ برابر اپنے کئے پر پشیمان اعتذار اور استغفار میں لگا رہا تا آنکہ ۲۰۶ھ میں وفات پائی۔

مندرجہ ذیل ابیات میں جو لفظی اور معنوی خوبیوں کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کے ہیں، وہ اپنا عذر پیش کرتا ہے کہ مَیں نے اپنوں اور غیروں کے خلاف جو بے دریغ طاقت استعمال کی وہ صرف ملت کی یکجہتی اور ملک کی سالمیت اور وقار برقرار رکھنے کیلئے کی تھی:۔

ملک میں جو شگاف پڑے تھے وہ مَیں نے بزورِ شمشیر بھر کر جوڑ دیے۔
اور مَیں تو اسی وقت سے جب مَیں نوجوان تھا، برابر قوم کو متحد کرتا آیا ہوں۔
میری سرحدوں سے پوچھو! کیا آج ان میں کوئی کمزور نقطہ ہے۔
مَیں فوراً زرہ پوش شمشیر برہنہ وہاں پہنچوں گا۔
بات کر دان کھوپڑیوں سے جو کھلے مَیدانوں میں پڑی لکڑی کے پیالوں کی طرح
چمک رہی ہیں۔
وہ تمہیں بتائیں گی کہ مَیں نے ان پر تلوار کی ضرب لگانے میں ذرا دیر نہیں کی۔
اور مَیں تو ہمیشہ سے شمشیر زنی کرتا آیا ہوں
جب دوسرے لوگ ڈریں اور موت سے بھاگیں۔
تو مَیں گھبرا کر موت سے بھاگنے والا نہیں ہوں۔
میرے ذمّہ جو کچھ تھا اس کی مَیں نے حمایت کی اور دوسروں کے ذمّہ جو کچھ تھا
اس کی مَیں نے بے حرمتی کی۔

Marfat.com

اور جو حمایت نہ کرسکے وہ ذلیل اور رسوا ہوتا ہے۔
جب ہم نے ایک دوسرے کو لڑائی کے ڈول پلائے۔
تو مَیں نے ان کو موت کے زہر ہلاہل کا ڈول پلایا۔
اس سے زیادہ اور مَیں نے کیا کیا کہ ان کے قرض کا پیمانہ پورا پورا انھیں ادا کر دیا۔
جس کے نتیجہ میں وہ دوچار ہوئے موت اور شکست سے جو ان کی قسمت میں تھی۔
دیکھو! یہ ہے میرا ملک جسے مَیں نرم و ہموار بنا کر چھوڑے جاتا ہوں، اور مَیں نے
کسی ایسے شخص کو باقی نہیں چھوڑا جو اس پر اپنا حق جمائے۔"

ایک بہت بڑے شاعر اور ناقد، عباس بن ناصح الثقفی الجزیری کا قول ہے کہ اگر قیامت کے دن اھل ربض نے الحکم کے خلاف ظلم اور بے رحمی کا الزام لگایا تو الحکم کی طرف سے صفائی میں ان کا یہ ایک شعر کافی ہوگا:۔

" اس سے زیادہ اور مَیں نے کیا کیا کہ ان کے قرض کا پیمانہ پورا پورا انھیں ادا کر دیا
جس کے نتیجہ میں وہ دوچار ہوئے موت اور شکست سے جو ان کی قسمت میں تھی۔"

الحکم آہنی عزم رکھتا تھا اور پنجۂ آہن سے حکومت کرتا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ نازک جمالیاتی حِس اور نفیس ادبی ذوق رکھتا تھا۔ حریم حسن میں وہ "ملیک" (بادشاہ) نہیں "مملوک" (غلام) ہے۔ کہتا ہے:۔

(۱۹)

"فرطِ محبت میں وہ مملوک ہوگیا
جو کچھ دیر قبل مَلیک تھا۔
جب وہ روتا ہے یا شکوۂ عشق کرتا ہے تو اسے مزید ظلم اور فراق سہنا پڑتا ہے
اور اس کے باعث وہ موت سے بالکل ہی قریب ہوجاتا ہے۔
قصر کے آہوان وحشی نے اس مجنون عاشق کو فرش زمین بنا دیا ہے۔
وہ اپنا رُخسار مٹی پر رکھے رہتا ہے
اس کے آگے جو حریر پریشان سے بیٹھتا ہے۔

محبت میں یہ "تذلّل" (خوئے تسلیم) ہی خوب ہے۔
اس لئے کہ عشق میں تو وہ مملوک ہوتا ہے۔"

یہ بوالہوسی نہیں بلکہ ایک صاحبِ جلال کی شخصیت کا جمالی پہلو ہے۔ اقبال نے کہا تھا کہ جو مجھے خشک فلسفی اور باوقار مفکر سمجھتا ہے اسے چاہئے کہ مجھے اپنی ماں کے آگے بچہ بنا ہوا دیکھے:۔

زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم ۔۔۔ صحبتِ مادر میں طفلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم

حریمِ ناز میں عشق کا نیاز اور "تذلّل" جو ملیک کو مملوک بنا دے، یہ بھی اس عاطفیت کا مظہر ہے جو انسانیت کا جوہر ہے۔ وہ انسان نہیں جو ماں کے حضور فلسفہ و فکر سے گراں بار آئے۔ اسی طرح وہ بھی انسان نہیں جو اپنے 'حبیب' اور 'حریف' دونوں پر ایک ہی شانِ جلالی سے جھپٹے[1]!

---

[1] "کلام الملوک" میں یہ مضمون بکثرت ملتا ہے۔ ہارون الرشید اور اندلس کے بادشاہ المستعین (مقتول ۴۰۷ھ) نے اس میں خاصے بڑے قطعے کہے ہیں ——
نفح الطیب ۱/۲۰۱۔

Marfat.com

عبدالرحمٰن الاوسط

الحَکَم کا یہ دعویٰ بالکل صحیح تھا کہ اُس نے مملکت اندلس کو نرم و ہموار بنایا اور سرحدوں کو ایسا مضبوط کیا کہ دشمنوں سے گھرے ہوئے ہونے کے باوجود کسی کو نظر اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ اس کے بیٹے عبدالرحمٰن الاوسط کے ۳۱ سالہ (۲۰۶ھ تا ۲۳۸ھ) عہد میں ہر طرف امن و امان، نظم و ضبط، عیش و آرام اور مرفّہ الحالی تھی۔ سلطنت کی شان و شوکت، دربار کے ٹھاٹھ باٹھ، تمدن کی رونق، زندگی کی سہولتیں اور اوقاتِ فراغ کی دلچسپیاں، سب اس دور میں نمایاں ہوئیں۔ دولت و ثروت کا یہ حال تھا کہ جب بغداد میں الامین کو قتل کیا گیا اور شاہی قصر کے ہیرے جواہرات لُٹے اور بکے تو وہ سب کھنچ کر اندلس کے بازار میں پہنچے جہاں کے امراء سے بڑھ کر ان کا قدردان اس وقت کی دنیا میں اور کوئی نہ تھا۔ انھیں جواہرات میں زُبَیدہ کا مشہور زمانہ ہار "عِقدالشفاء" بھی تھا۔[1]

اسی طرح علم و ادب اور فنون لطیفہ کے گوہر یکتا بھی مشرق کی اُجڑتی ہوئی محفل چھوڑ کر اندلس کی نئی دنیا میں قسمت آزمائی کے لئے پہنچنے لگے۔ ان میں سرِفہرست زِریاب ہے جو مشرق کے بے مثال فن کار اور ہارون رشید کے خاص مغنّی اسحاق الموصلی کا خاص شاگرد تھا۔ زِریاب کے کمال کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس کے استاد کو اس سے حسد ہو گیا اور اسی سے کبیدہ خاطر ہو کر زریاب نے اندلس کا رخ کیا۔ وہاں اس کی یہ قدر ہوئی کہ عبدالرحمٰن الاوسط نے بنفس نفیس اس کا استقبال کیا۔ یہ کہنا صحیح ہو گا کہ فنون لطیفہ کی دنیا میں زِریاب کو وہی اہمیت حاصل ہے جو سیاست کی دنیا میں عبدالرحمٰن الداخل کو۔ اس دور کی روایت کے مطابق زِریاب صرف مطرب و مغنی نہ تھا بلکہ ادب، نکتہ سنجی، ظرف (زندہ دلی)، اَناقت (حُسن میں جدت طرازی، فیشن) نفاستِ ذوق اور آدابِ معاشرت کا نمونہ تھا۔ اس کی بدولت اندلس میں غنا کا فن پروان چڑھا اور اس کا ذوق

---

[1] ابن عذاری ۲/۹۱۔

Marfat.com

عام ہوا اور اندلس کی رزم گاہ رونقِ بزم سے آشنا ہوئی۔

بزم کی رونق اور رنگینی صنفِ نازک کے بغیر ناتمام تھی۔ اخلاق کی بندشیں توڑی نہ جا سکتی تھیں، صرف ان میں تھوڑی سی لچک پیدا کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ خلوت اور جلوت کی تفریق عمل میں آئی۔ بیگمات "حرائر محصنات" تزک و احتشام کے ساتھ خلوت میں رہتی تھیں[1] اور کنیزیں "جواری، قینات" جلوت میں شمعِ انجمن بنتی تھیں۔ یہ کنیزیں 'حسن فروش' نہیں صرف 'جلوہ آرا' ہوتی تھیں اور ان کا 'حسن' ادب و فن کے زیور سے آراستہ ہوتا تھا۔ ان کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ ان کا ادب، ظرف، حاضر جوابی، نفاستِ ذوق اور کمالِ فن دلوں میں حرارت، ذہن میں تازگی اور بالیدگی، احساس میں لطافت اور تیزی کا سامان کرتا تھا۔ اس بلند ادبی و فنی سطح سے گرا ہوا جو کچھ ہو اس کا نام "خلاعۃ" اور "مجون" تھا اور اسے کبھی پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا گیا۔ الغرض یہ کنیزیں ثقافت اور فنون لطیفہ کے بین الملل تبادل اور نشر و اشاعت کا زندہ و فعال وسیلہ تھیں۔ انھیں کی بدولت مدینہ ایرانی رقص و سرود کا مرکز بنا تھا۔ یہی بغداد میں تنعّم (high-life) کے طور طریقے وضع کرتی تھیں۔ اب ہم انھیں کنیزوں کو مشرق اور خاص طور پر مدینہ سے اندلس جاتے اور اپنے ساتھ ادب و فن کی سوغات لے جاتے دیکھتے ہیں۔ عبدالرحمٰن الاوسط کے قصر میں تین مدنیات کا بڑا شہرہ تھا: فضل، علم اور قلم۔ یہ القاب

---

[1] احمد بن عبدالملک بن شہید۔ وزیر عبدالرحمٰن الناصر۔ ان کی شان یوں بیان کرتا ہے:۔

مِنَ اللّاءِ لم یرحَلْنَ فوقَ رواحِلٍ ولَا سِرْنَ یوماً فی رکابٍ ولا رَکْبِ
وَلا اَبْرَزَتْهنّ المُدامُ لنَشْوَۃٍ وَشَدْوٍ کما تَشْدُو القِیانُ علی الشَّرْبِ

(نفح الطیب ۱/۱۷۸)

"ان خواتین میں سے جنھوں نے کبھی اونٹ پر سفر نہیں کیا اور نہ وہ کسی جماعت یا قافلہ کے ساتھ کہیں گئیں۔ شراب کبھی ان کو مستی اور سرود کے لئے پردہ سے باہر نہیں لائی جس طرح کہ "قیان" رندوں کی محفل میں گاتی رہتی ہیں۔" قَینَۃ = Artiste. جمع "قیان"۔ جاریہ = نوعمر لڑکی جمع "جواری"۔ حُرّۃ = آزاد شریف خاتون، جمع "حرائر"۔ مُحْصَنَۃ = شادی شدہ، جمع "محصنات"۔

Marfat.com

ان کی سیرت اور صلاحیت کی مناسبت سے رکھے گئے تھے۔ قلم کے متعلق صراحت سے مذکور ہے کہ اس کا خط بہت اچھا تھا، ادیبہ تھی، اشعار و اخبار خوب حفظ تھے۔ ایک کنیز طرُوب تھی جس کی جدائی عبدالرحمٰن الاوسط پر بہت شاق گذرتی تھی۔ ایک مہم کے سلسلہ میں جب کافی عرصہ اس سے دُور رہنے کا اتفاق ہوا تو اس کی یاد میں یہ اشعار نظم کئے[۱]۔

(۲۰)

جب سے محبوب نظروں سے اوجھل ہوا میری نیند اڑ گئی ہے
اب تو میں گریہ وزاری کرتے ہوئے رات کاٹتا ہوں۔
دن کو جب سورج طلوع ہو کر سامنے آتا ہے تو مجھے طروب کی یاد دلاتا ہے۔
کتنے عرصہ سے مَیں اس کے چہرہ کا مشتاق ہوں۔
اور کتنا قابلِ رحم ہے وہ جگر جس کو اس نے زخم دئے ہیں۔
اے کہ میری نگاہ میں حسین ترین مخلوق ہے!
اور میرے دل میں اس کے لئے سب سے زیادہ جگہ ہے!
اگر تیرے مجھ سے قریب رہنے کے بعد اب دُوریِ منزل درمیان میں حائل ہے۔
تو اس نے میرے جسم کو لاغر بنا دیا ہے۔
اور میرے دل میں ایک شعلہ بھڑکا دیا ہے۔
دشمنوں سے مڈبھیڑ کے باعث مَیں تجھ سے دُور دُور ہوں۔
مَیں ان پر ایک ہیبت ناک لشکر کے ساتھ چڑھائی کرتا ہوں۔
مَیں نے کتنے ہی بیابان پار کئے ہیں
اور یکے بعد دیگرے کتنے ہی تنگ راستوں سے گزرا ہوں۔
دوپہر کی گرمی مَیں نے اپنے چہرہ پر جھیلی ہے۔
جب کہ کنکریاں بھی قریب قریب پگھلتی ہوتی ہیں۔
مَیں غبار سے ڈھک جاتا ہوں یہاں تک کہ چہرہ کی تازگی کی جگہ زردی چڑھ جاتی ہے۔

---

[۱] نفح الطیب ۱/۱۶۳۔

یہ سب میں اللہ کے ثواب کی خاطر کر رہا ہوں۔
اور اللہ کے سوا دوسرا کون ہے جسے مَیں ثواب دینے کا اہل سمجھوں۔
میرے ذریعہ اللہ نے دینِ ہدایت کو سنبھالا دیا۔
میں نے اسے زندہ کیا اور صلیب کے کان کاٹ لئے۔
مَیں نے شرک پر چڑھائی کی ایک ایسے لشکر کے ساتھ
جس سے چٹیل میدان اور لق و دق بیابان اَٹ گئے۔

(۲۱)

چھوٹی بحر میں یہ ہلکی پھلکی غزل بھی اسی کی ہے :۔
" تو نے مجھے اپنی محبت سے مار ڈالا۔
پھر بھی مَیں تیرے سوا کسی سے محبت نہیں کرتا۔
کس کے بس میں ہے ان پلکوں کے جادو کا علاج۔
جن کو تیری آنکھیں گھماتی رہتی ہیں۔
اور اس سُرخی آمیز سفیدی کا علاج۔
جو تیرے دونوں رخساروں پر چھائی ہوئی ہے۔
ذرا تو مجھ پر مہربان ہو جا
اور مجھ سے خوش ہو کر مجھے دوبارہ جِلا دے۔
مَیں تو اس حد تک قانع ہوں کہ اگر میں صرف اس کو دیکھ لوں جس نے تجھے دیکھا ہے تو بھی میرے لئے کافی ہے۔"

(۲۲)

ایک ایسا بادشاہ جو کبھی معزول نہ ہوا ہو اس کی زبان سے یہ دو شعر سن کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ غرور و تکبر سے کتنا دور رہا ہوگا :۔
" مَیں دیکھتا ہوں کہ معزول ہونے کے بعد انسان کو عقل آجاتی ہے
اور جب تک سلطانی باقی رہتی ہے عقل سے کام نہیں لیتا۔

Marfat.com

چنانچہ جب تک حاکم رہتا ہے چہرہ پر بل ڈالے رہتا ہے،
اور جیسے ہی معزول ہوتا ہے وہ بل کھل جاتے ہیں۔"

(۲۳)

عبدالرحمن نوجوانی کا بڑا قدردان تھا۔ جو نوجوانی کو ناتجربہ کاری کا مرادف سمجھ کر اسکے ساتھ اعتنا نہیں کرتے ان کو یوں تنبیہ کرتا ہے:۔

" اکثر معاملات میں ایسا ہوتا ہے کہ برابر کی مختلف صورتیں سامنے آتی ہیں۔
پھر توفیق انھیں ٹھیک ٹھیک راستہ پر لگا دیتی ہے۔
"شیخ" اگرچہ تجربہ سے عقل سیکھ لے
تب بھی قوم کی رائے کا شباب تو" شباب" (نوجوانوں) ہی میں ہوتا ہے۔"

جبال البرت[1] شمال میں اندلس کی طبعی حد ہے۔ منظم و مستحکم فتح اسلامی کی حد بھی یہی ہے۔ گو ابتدائے فتح ہی سے بارہا مجاہدین نے اس حدِ طبیعی کو پار کر کے ثابت کر دیا کہ ان کے عزائم لامحدود تھے اور اتنے قوی کہ سخت نقصانات اٹھانے کے باوجود ابھرتے ہی گئے اور حملے متواتر جاری رہے۔ البرت کے اس پار فرزندان توحید کی جولانگاہ کی انتہا مغرب میں ساحلِ برطانیہ[2] پر اور مشرق میں اَربُونَۃ[3] پر ہوئی۔ دُور دُور تک یہ جارحانہ حملے مملکتِ اندلس کی سرحدوں کی بہترین ضمانت تھے۔ ان سے حدود میں کوئی قابلِ لحاظ توسیع تو نہ ہوئی البتہ آس پاس کے ملوکِ فرنجہ مسلمانوں کی طاقت کا لوہا مان گئے اور ان میں سے بہتوں نے معاندانہ فوجی کارروائیاں چھوڑ کر صلح و دوستی کی پیش کش کی۔ لیکن عین اس وقت جب فرانس سے لے کر قسطنطینیہ تک سب اندلس کی اسلامی مملکت کو احترام کی نظر سے دیکھنے لگے تھے ۲۳۰ھ میں پہلی بار شمال سے کچھ بحری قزاق اور لٹیرے جہازوں میں بھر کر آئے،

[1] Pyrenees.

[2] Brittany (France).

[3] Narbonne.

Marfat.com

ساحل لشبونہ[1] پر اترے، اندرونِ ملک گھستے چلے گئے، کئی شہروں میں دہشت پھیلادی عبدالرحمٰن الاوسط کی بری اور بحری افواج نے بمشکل ان کا تعاقب کیا اور واپس بھگادیا۔ عرب مؤرخین ان بحری قزاقوں کو 'مجوس' بتاتے ہیں جس سے ان کی مراد (Northmen- Norsemen) یعنی مجموعی طور پر ناروے (Norway) اور ڈنمارک (Denmark) کے باشندے ہیں[2] جو فرانس کے علاقہ نارمنڈی (Normandy) تک پھیل چکے تھے، انگلستان پر بھی حملے کرتے تھے اور اسی سلسلہ میں اندلس پر بھی۔

یحییٰ بن الحکم الغزال

اس حملہ کے اثرات کی تلافی کے لئے مجوس کے بادشاہ کی طرف سے ایک سفارتی وفد دوستی کا پیغام اور ہدایا لے کر آیا۔ عبدالرحمٰن نے بھی دوستی کا جواب دوستی سے دیا اور اپنا ایک سفیر پیغام اور ہدایا لے کر بھیجا۔ یہ سفیر یحییٰ بن الحکم الغزال تھا، جو عمر میں تو پچاس کے لگ بھگ تھا لیکن جوانی گذرنے پر بھی اس کا حسن نمایاں تھا۔ اس کے غیر معمولی حسن ہی کی وجہ سے اس کا لقب 'الغزال' تھا۔ اس کے ساتھ ہی بلا کا ذہین، حاضر جواب، جرأت مند اور خوش تدبیر تھا، اس کا مظہر اور اس کی شخصیت دونوں ایسی تھیں کہ ہر محفل پر چھا جاتی تھیں۔ اسے سفیر بناکر عبدالرحمٰن نے ایک جہاز میں روانہ کیا جو ہر ساز و سامان سے لیس تھا۔ آگے آگے ملک المجوس کے سفراء کا جہاز چلا اور انھوں نے اپنے آقا کو عبدالرحمٰن کے سفیر کی آمد کی خبر پہنچائی۔ ملک المجوس نے الغزال کے استقبال کا خاص اہتمام کیا۔

(۲۴)

عام تماشائی بھی گھروں سے باہر نکل آئے اور عربوں کی شکل صورت لباس وضع قطع دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے۔ بادشاہ کے حکم کے مطابق الغزال اور اس کے ساتھیوں کو ہر طرح کے آرام اور پورے عزت و اکرام کے ساتھ مہمان رکھا گیا۔ دو دن بعد بادشاہ سے ملاقات کا

---

[1] Lisbon.

[2] ابن عذاری ۲/۲۴۱ - "المجوس الأُردمانيين". Northmen.

Marfat.com

وقت مقرر ہوا۔ الغزال نے پہلے سے یہ شرط کر لی کہ اسے سجدہ کرنے یا اپنے طور طریق کے خلاف کوئی عمل کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ بادشاہ نے یہ شرط تو مان لی لیکن اپنے دربار میں داخل ہونے کا دروازہ اتنا تنگ کرا دیا کہ بغیر جھکے اس میں سے گذر غیر ممکن تھا۔ الغزال جب وہاں پہنچا تو اس نے بیٹھ کر پہلے اپنے پیر اندر ڈالے پھر کھسکتا ہوا دروازہ سے گذرا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ دربار میں ہر قسم کی آرائش اور اسلحہ کی نمائش تھی۔ الغزال ان سے متاثر ہوئے بغیر بادشاہ کے پاس پہنچا اور بولا:۔ سلام بادشاہ کو اور ان سب کو جو بادشاہ کے سامنے حاضر ہیں۔ اور تسلیم با تکریم مخصوص آپ کو، اے بادشاہ! آپ تا دیر سلامت رہیں اور عزت و آبرو کے ساتھ رہتے ہوئے مشرف ہوں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی جہاں ہمیشہ ہمیشہ اس حی قیوم کے زیر سایہ رہنا ہے، جو تنہا باقی رہے گا اور باقی ہر چیز فنا ہو جائے گی، حکومت اسی کو سزاوار ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ترجمان نے جب بتایا کہ الغزال نے کیا کہا تو بادشاہ کو اسکی بات بہت پسند آئی اور اس نے کہا:۔ یہ اپنی قوم کے عقلمند اور تیز چالاک آدمیوں میں سے ہے۔ بالخصوص اس کے بیٹھ کر داخل ہونے کو دیکھو کہ ہم نے اسے ذلیل کرنا چاہا تو اس نے اپنے جوتے ہمارے منہ کے سامنے کر دیئے۔ اگر یہ سفیر نہ ہوتا تو ہم اس پر سخت ناراض ہوتے۔ اسکے بعد الغزال نے سلطان عبدالرحمن کا خط دیا اور صندوق کھول کر ہدایا پیش کئے جو پارچہ جات اور ظروف پر مشتمل تھے۔ ملک المجوس نے خوشی اور شکر گزاری کے ساتھ تحفے قبول کئے اور الغزال اور اس کے ساتھیوں کو مزید انعام اکرام دیا۔

(۲۴)

الغزال نے وہاں مجوسیوں کے ساتھ بہت مباحثے اور مقابلے بھی سر کئے۔ ان کے علماء کو لاجواب کر دیا اور ان کے بہادروں سے اپنا لوہا منوا لیا۔ لیکن سب سے دلچسپ ملکہ کے ساتھ اس کی ملاقاتوں کی داستان ہے :۔

جب ملکہ نے الغزال کی بابت سُنا تو دیکھنے کے لئے اسے بلا بھیجا۔ الغزال نے جا کر سلام کیا اور دیر تک نظریں جمائے ششدر بنا اسے دیکھتا رہا۔ اس نے ترجمان سے کہا:۔ اس سے پوچھو کہ اس طرح نظریں جمائے کیوں دیکھ رہا ہے؟ کیا اس کا سبب یہ ہے کہ حسن سے بہت

زیادہ متاثر ہے یا اس کے برخلاف کچھ اور؟ الغزال نے کہا: اس کا سبب یہی ہے کہ میرے وہم و خیال میں بھی نہ تھا کہ دنیا میں اس جیسا منظر بھی ہو سکتا ہے۔ مَیں نے اپنے بادشاہ کے پاس بہت سی خواتین دیکھیں جو ساری ہی مختلف قوموں سے منتخب کی گئی ہیں لیکن کسی میں ایسا حسن نظر نہیں آیا۔ ملکہ نے ترجمان سے کہا: اس سے پوچھو کہ یہ سچ کہہ رہا ہے یا مذاق کر رہا ہے؟ الغزال نے کہا: مَیں سچ کہتا ہوں۔ اس پر ملکہ بولی: اس کے معنیٰ تو یہ ہوئے کہ ان کے ملک میں جمال ہی نہیں۔ الغزال نے کہا: اچھا تو آپ مجھے اپنے ملک کی خواتین کو دیکھنے کا موقع دیں تاکہ مَیں ملکہ کا اور ان کا مقابلہ کر سکوں۔ چنانچہ ملکہ نے ایسی عورتوں کو بلا بھیجا جو حسن و جمال کے لئے مشہور تھیں الغزال نے انھیں اوپر سے نیچے تک دیکھ کر کہا: حسن تو ان میں بھی ہے لیکن وہ بات نہیں جو ملکہ میں ہے۔ ملکہ کے حسن اور خوبیوں کے تناسب کو پہچاننا ہر ایک کا کام نہیں۔ اس کے ماہر تو شعراء ہوتے ہیں۔ اگر ملکہ کو پسند آئے تو میں ان کے حُسن، حسب اور عقل کا ایسے اشعار میں بیان کرونگا کہ ہمارے ملک کے طول و عرض میں ان کا چرچا ہو جائے گا۔ ملکہ یہ سُن کر پھولے نہ سمائی۔ اس نے خوشی خوشی الغزال کو صلہ دیا۔ الغزال نے صلہ لینے سے انکار کیا، تو اس نے ترجمان سے کہا: اس سے پوچھو کہ صلہ لینے سے کیوں انکار ہے؟ کیا صلہ کو حقیر سمجھتا ہے یا میری تحقیر کرنا چاہتا ہے۔؟ الغزال نے کہا: صلہ تو گراں قدر ہے اور "ملکہ بنتِ مَلِک" سے صلہ لینا میرے لئے باعث شرف ہے۔ لیکن اسی صلہ کو بہت سمجھتا ہوں کہ مَیں نے ملکہ کو دیکھ لیا اور ملکہ نے میری طرف توجہ فرمائی۔ یہی میرے لئے کافی ہے۔ ہاں! ملکہ سے یہ صلہ ضرور چاہتا ہوں کہ وہ مجھے ہمہ وقت ملنے کی اجازت عطا کریں۔ ملکہ نے جب یہ سُنا تو اس کے غرور اور خوشی میں اضافہ ہوا۔ اس نے کہا: اس کا صلہ بھی اس کو دیدو اور یہ جب بھی مجھ سے ملنے آئے کوئی روک ٹوک نہ کی جائے۔ میں اس کو اپنے حضور فراخی، کشادگی اور عزت و تکریم کا یقین دلاتی ہوں۔ الغزال ملکہ کا شکریہ ادا کر کے دُعا دیتا ہوا لوٹا۔

تمّام بن علقمۃ کا کہنا ہے کہ الغزال نے جب مجھ سے یہ قصہ بیان کیا تو میں نے پوچھا: یہ تو بتاؤ، کیا واقعی وہ اسی درجہ خوبصورت تھی جتنا کہ تم نے بڑھا یا چڑھایا؟ اس نے کہا: اس کی دلربائی میں تو کلام نہیں، لیکن مجھے اس کے دل میں جگہ کرنا مقصود تھا چنانچہ میں نے جو چاہا اس سے کچھ

Marfat.com

زیادہ ہی پایا۔

(۲۶)

العزال کے ایک اور جاننے والے کا بیان ہے کہ: ملک المجوس کی بیوی العزال کی ایسی گرویدہ ہوگئی تھی کہ ہر روز جب تک اُسے بلا نہ بھیجے، چین نہیں پاتی تھی۔ العزال اس کے پاس بیٹھا مسلمانوں کے کارنامے، تاریخی واقعات اور ان کے ملک کے اوصاف، نیز ان کی پڑوسی قوموں کے احوال سنایا کرتا تھا۔ ہر روز جب بھی وہ اس کے پاس سے لوٹتا تو وہ اسے خوش کرنے کے لئے پیچھے پیچھے کوئی نہ کوئی ہدیہ، پارچہ، خوشبو یا کھانے کی چیز ضرور بھیجتی۔ العزال اور ملکہ کے باہمی لطف اور میل جول کا چرچا ہونے لگا تو العزال کے ساتھیوں کو کھٹکا پیدا ہوا اور انھوں نے العزال کو تنبیہ کی، چنانچہ العزال ڈر گیا اور اس نے ملکہ کے پاس آنا جانا کم کر دیا۔ ملکہ نے اس کے رویہ میں تبدیلی کی بابت پوچھا تو اس نے بتادیا کہ مجھے اس قسم کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس پر ملکہ ہنس پڑی اور اس نے کہا: ہمارے دین میں یہ کچھ نہیں ہے، نہ ہم لوگوں میں غیرت کا مادہ ہے، عورتیں مردوں کے ساتھ اپنی خوشی سے رہتی ہیں، جب تک دل چاہتا ہے رہتی ہیں، اور جب دل ہٹ جائے تو چھوڑ دیتی ہیں۔ اور قبل اس کے کہ وہ "دینِ رومۃ" سے واقف ہوں مجوس کے یہاں دستور ہی یہ تھا کہ کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ جانے سے انکار نہیں کرتی تھی، ہاں اگر کسی شریف عورت کے ساتھ کوئی نیچ ذات مرد دیکھا جائے تو اس عورت کے لئے باعث عار سمجھا جاتا تھا اور اس کے گھر والے اس مرد کو باز رکھتے تھے۔ الغرض ملکہ کی اس بات سے العزال کا تردّد جاتا رہا اور وہ پھر آزادی سے گھل مل گیا۔

(۲۷)

العزال جب مجوس کے ملک گیا تو پچاس کے لگ بھگ تھا اور بال کھچڑی تھے لیکن اس کے باوجود اعضاء قوی اور گٹھے ہوئے، جسم چھریرا اور چہرہ حسین تھا۔ ملکہ نے جسکا نام "نود" تھا، ایک روز اس کی عمر پوچھی۔ اس نے بطور مزاح کہا: بیس سال۔ ملکہ نے ترجمان سے کہا: کیا بیس سال کی عمر میں بھی بڑھاپے کی یہ کیفیت ہوتی ہے؟ العزال نے کہا، اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ کیا ملکہ نے کوئی گھوڑے کا بچھیرا نہیں دیکھا جسکے پیدائشی سفید بال ہوں؟ ملکہ

Marfat.com

نود ہنس پڑی اُم الغزال کے جواب سے محظوظ ہوئی۔ اسی پر الغزال نے فی البدیہہ یہ شعر کہے:۔

"دلِ من! تو بڑے صبر آزما عشق میں مبتلا کیا گیا ہے۔
تو عشق سے نہیں بلکہ شیر ببر سے نبرد آزما ہے۔
مجھے ایک مجوسیہ سے محبت ہو گئی ہے۔
جو حسن کے آفتاب کو غروب نہیں ہونے دیتی۔
مجھے لگاؤ ہے اس ملک سے جو اللہ کے ملکوں میں سب سے دور ہے
جہاں جانے والے کو اس کا راستہ تک نہیں ملتا ہے۔
اے نُود! اے بھرپور جوانی! جو
اپنے نکموں سے ستارے ابھارتی ہے۔
قربان ہو جاؤں میں اس شخص کے۔
جس سے زیادہ شیریں اور دل پسند میں نے کبھی کوئی نہیں دیکھا۔
اگر کبھی یہ کہوں کہ میری آنکھ نے اس کی شبیہ و نظیر دیکھی ہے تو میں سراسر جھوٹا بن جاؤں گا۔
وہ بولی: میں دیکھتی ہوں کہ اس کی کنپٹیوں میں سفیدی نمودار ہو گئی ہے۔
یہ بطور مزاح تھا اور اس کا تقاضا تھا کہ میں بھی مزاح کر دوں۔
میں نے اس سے کہا، قربان جاؤں تیرے،
کبھی بچھیرے کے پیدائشی سفید بال بھی تو ہوتے ہیں۔
وہ میری بات سے محظوظ ہوئی اور ہنس پڑی اور میں نے تو کہا اسی لئے تھا کہ وہ محظوظ ہو۔"

مذکورہ بالا ابیات میں یہ مصرع: "جو حسن کے آفتاب کو غروب نہیں ہونے دیتی" خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے۔ عام استعارہ کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے جب ہم یہ یاد کریں کہ اس کا تعلق اس سرزمین سے ہے جہاں آفتاب بہت کم غروب ہوتا ہے۔

Marfat.com

(۴۸)

ان ابیات سے محظوظ ہو کر ملکہ نے الغزال کو خضاب لگانے کا مشورہ دیا، چنانچہ دوسرے روز الغزال خضاب لگا کر گیا۔ ملکہ نے خضاب بہت پسند کیا اور اس کی تعریف کی۔ اس پر الغزال کہتا ہے:۔

"وہ لگی میرے سیاہ خضاب کی تعریف کرنے
ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسکی بدولت میں دوبارہ اپنے شباب کی طرف لوٹ گیا۔
میرے نزدیک تو بڑھاپے اور خضاب کی بابت یہی کہا جا سکتا ہے
کہ سورج پر کہر چھا گیا ہے۔
تھوڑی دیر سورج چھپا رہے گا پھر بادِ صبا اس پر سے پردہ ہٹا دے گی
اور جو چیز اسے ڈھاکے ہوئے تھی وہ رخصت ہو جائے گی۔
بڑھاپے کی سفیدی کو تو اتنا برا نہ سمجھ اس لئے کہ یہ تو
عقل و فہم کی گلکاری ہے۔
البتہ اگر تو شان جوانی اور کشش اخلاق و آداب کی رسیا ہے تو وہ اب بھی مجھ میں ہے۔"

الغزال نے ۹۴ سال کی عمر پائی اور عبدالرحمٰن بن معاویہ سے لے کر عبدالرحمٰن بن الحکم کے بیٹے محمد تک پانچ خلفاء کا زمانہ دیکھا۔ عبدالرحمٰن بن الحکم کے عہد میں اسے خوب عروج حاصل ہوا، سفارت کے کاموں کے لئے کوئی اس کا پاسنگ نہ تھا۔ ملک الروم کے پاس قسطنطنیہ اس کا سفیر[1] کی حیثیت

---

[1] نفح الطیب ۱/۴۴۴۔ مستشرقین کو اصرار ہے کہ الغزال کا سفیر کی حیثیت سے ملک روم (Theophilus) کے پاس جانا اور اس کی ملکہ (Theodora) سے دلچسپ باتیں کرنا ثابت ہے اور ملک المجوس کے پاس جانے کی حکایت بے سروپا ہے (دیکھئے Encyclopaedia of Islam "Ghazal") مستشرقین "جذوۃ المقتبس" پر بھروسہ کرتے ہیں جہاں ایک مختصر روایت ہے اور اس کا تعلق "ملک الروم" سے ہے۔ یہ روایت ابن حزم سے منقول تھی۔ ابن دحیۃ کی روایت جو ہم نے نقل کی ہے تمام بن علقمۃ کی تاریخ سے ماخوذ ہے جو براہ راست الغزال کا حوالہ دیتا ہے۔ جہاں تک ادب اور ظرافت کا تعلق ہے اس روایت میں کوئی ایسی بات نہیں جو الغزال کی عام شہرت کے ساتھ مطابقت نہ رکھتی ہو۔

سے جانا اور ملکہ رومتہ سے دلچسپ باتیں کرنا بھی مذکور ہے۔ لیکن بعد کو زریاب سے اس کی چل گئی اور اس نے زریاب کی ہجو کر ڈالی۔ اس پر عبدالرحمٰن بن الحکم برہم ہو گیا اور اس نے الغزال کو جلا وطن کر دیا۔

(۲۹)

الغزال کی ایک غزل کے چند ابیات بہت مشہور ہیں جن میں اسنے بڑی نازک خیال اور معنی آفرینی سے کام لیا ہے۔ کہتا ہے:۔

" سُلیمٰی تو وصال کے شائبہ سے بھی اعراض کرتی ہے۔
جب بھی میں وصال کی بات کرتا ہوں تو وہ محض اس خیال پر محاسبہ کرنے لگتی ہے۔
میرا یہ حال ہے کہ نیند میری آنکھوں پر قیامت تک حرام ہے۔
وہ یہ سب خوب اچھی طرح جانتی ہے، پھر کیوں مجھ سے محالات کا مطالبہ کرتی ہے اور ٹالتی ہے؟
کیا تمہارا خیال ہے کہ اس کے بعد میں اس سے ذرا بھی لطف و مہربانی کا آرزومند ہو سکتا ہوں؟

عراق اور دیارِ شرق میں جلا وطنی کا زمانہ گذار کر جب الغزال واپس اندلس لوٹا تو اس کے طور طریق بہت کچھ بدل چکے تھے۔ شراب چھوڑ دی تھی۔ شعر میں بھی حکمت اور زہد کا عنصر آگیا تھا۔ لیکن بقول عرب مؤرخین وہ " نُسُّكُ الْعَجَمِیّ[۱] " سے مبرّا تھا یعنی راہب اور جوگی نہ تھا کہ حسن و عشق اور دنیاوی لذتوں کے ذکر سے بھی گریز کرے، بلکہ طبیعت کے ٹھہراؤ، سیرت کی پاکیزگی اور عقل و تجربہ کی باتوں کے ساتھ ساتھ ادب، ظرافت اور خوش مزاجی کے دائرہ میں عریاں واقعہ نگاری کی حد تک آزادیاں روا رکھتا تھا۔

(۳۰)

مندرجہ ذیل ابیات اس کے زہد کا نمونہ ہیں:۔

" سب آدمی جسمانی ساخت کے لحاظ سے یکساں ہوتے ہیں۔

---

[۱] یہ قابل لحاظ ہے کہ طیبات سے اجتناب کو "عجمیت" (زہد و تصوف کے غیر اسلامی مظہر) سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

Marfat.com

البتہ ان کے اعمال ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔
سب کی بابت حق اور باطل دونوں قسم کی باتیں کہی جاتی ہیں۔
ایسا کون ہے جس کی بابت کچھ نہ کچھ نہ کہا جاتا ہو؟
ہر انسان میں بذاتِ خود اتنے عیوب ہوتے ہیں کہ دوسرے پر نظر اُٹھنے کی نوبت ہی نہ آئے۔
(لیکن) دوسروں کی ذرا ذرا سی کمزوریاں اسے بڑی گراں محسوس ہوتی ہیں۔
درا نحالیکہ خود ان جیسی کمزوریوں کے پہاڑ اٹھائے ہوتا ہے۔
میرا تجربہ ہے کہ لوگوں کی زبانیں کیا ہیں سانپ ہیں۔
جو کبھی پھن پھیلاتے ہیں اور کبھی اچانک ڈس لیتے ہیں۔
پس اگر تم اس حد تک بچے رہو کہ تمہارے کردہ گناہوں کے علاوہ اور کچھ تمہیں نہ کہا جائے تو تم بڑے ہی نیک بخت اور صاحبِ فضل ہو۔"

---

(۳۱)

عبدالرحمٰن الاوسط کے بعد ان کے بیٹے محمد ۲۳۸ھ سے ۲۷۳ھ تک خلیفہ رہے۔
ایک روز وہ ہاشم بن عبدالعزیز کو ساتھ لے کر تفریح کی غرض سے رُصافہ گئے۔ سارا دن لذتِ شراب میں گذارا۔ شام کے جھٹ پٹے میں محل واپس آئے تو کچھ بہکے ہوئے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس نے سُنا: ہاشم نے ان سے کہا: - خلیفہ زادے! دنیا میں کتنا مزا ہوتا' کاش موت نہ ہوتی! انھوں نے کہا: - بدذات کیسی اُلٹی سُلٹی بات کرتا ہے۔ ہمیں جو یہ بادشاہت ملی تو کیا اس کا سبب موت کے علاوہ کچھ اور ہے؟ موت نہ ہوتی تو کبھی ہمیں بادشاہت نہ ملتی۔

---

(۳۲)

عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن (عہدِ خلافت ۲۷۵ھ تا ۳۰۰ھ) بلند پایہ ادیب، شاعر اور نکتہ داں تھے۔ ان کی غزل کا نمونہ یہ ہے۔

Marfat.com

جگرِ عاشق! تو کتنا درد مند ہے،
گرفتارِ محبت! تو کتنا نیاز آگیں ہے۔
آنکھ کا پیام لانے والی نگاہ!
تو کتنی تیزی سے پیام پہنچاتی اور جواب لاتی ہے!
پیامِ راز لے جاتی اور لاتی ہے
بھری بزم میں اس طرح کہ ہم نشین پر بھی مخفی رہے۔
کتنی آرزوؤں کا وعدہ تیری بدولت نصیب ہوتا ہے۔
تو کتنے کام کی ہے! اللہ کی کیسی کیسی برکتیں ہیں!"

(۳۳)

غزل کی مقابل صنف "زہد" میں ان کا کلام یہ ہے:-

" اے کہ موت اس کا پیچھا کر رہی ہے!
کب تک تو اپنی آرزوؤں میں مست رہے گا۔
کب تک تو موت سے نڈر بنا رہے گا۔
وہ تو کہنا چاہئے تیرے سر پر آچکی ہے۔
طلب نجات سے تو نے غفلت برتی۔
اور غفلت برتنے والے کو نجات نہیں ملتی۔
ہرگز نہیں تو اپنی آرزوؤں میں مست ہے۔
اور یہ مستی تا دیر رہنے والی نہیں ہے۔"

اسی زمین میں۔ بحر، قافیہ اور موضوع کی وحدت کے ساتھ۔ ابوالعتاھیہ کا کلام ہے جو زہدیات کا مثالی نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ عبداللہ نے اسی کے "معارضہ" (جواب) میں یہ ابیات کہے ہیں۔ اسی نمونہ پر ہندوستان میں مولوی نذیر احمد نے بھی شعر کہے ہیں۔ اُردو ادب میں مولوی صاحب کے کارنامے تو اچھی طرح جانے پہچانے جاتے ہیں لیکن اس طرف کم لوگ توجہ کرتے ہیں کہ عربی شعر و ادب میں وہ اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ اور یہ حقیقت

Marfat.com

تو اب ہم فراموش کر چکے ہیں کہ اردو میں انھوں نے جو چراغ روشن کئے ان کی روشنی کا سرچشمہ عربی تعلیم و ثقافت ہی تھی۔ زہد کے معانی تو تقریباً یکساں ہی ہوتے ہیں، لیکن زبان کی روانی اور محاورہ کی برجستگی کے لحاظ سے بھی بغداد کے شاعر کے معارضہ میں یہ ہندوستانی عالم اتنا ہی کامیاب ہے جتنا کہ اندلس کا بادشاہ، نذیر احمد کہتے ہیں[۱]:-

"اللہ نے ازل میں یہی مقدر کیا ہے
کہ بلا عمل کے نجات نہیں ہے۔
نصیحت کچھ سود مند نہیں
جبکہ تلوار ملامت سے پہلے ہی اپنا کام کر چکی ہو۔
انسان ہمیشہ باقی رہنے والا نہیں ہے
اور زندگی تو ایک غیر یقینی چیز ہے۔
تم جہاں بھی ہو
میدانوں میں بُروج میں اور پہاڑ کی چوٹیوں میں
موت ایک وقت تم کو آدبوچے گی اور تمھاری عمر میں مہلت نہ دے گی
دنیا کی لذتیں ساری کی ساری
شہد ملا زہر ہیں۔
عمر فانی ہے، نجات کی فکر کرو،
موت آکر رہے گی، عمل پر دھیان دو۔
کب تک تم خواہشات کی پیروی کرو گے
اور کب تک نئے نئے حیلے تراشو گے۔
جو دنیا کے تعلقات میں پھنسا ہوا ہو،
وہ گدھا ہے دلدل میں پھنسا ہوا۔"

ابو عامر السالمیؒ اپنی کتاب مسمّی بہ "دُرر القلائد و غُرر الفوائد" میں

---

[۱] یہ شعر میں نے اپنے استاد محترم علامہ عبدالعزیز میمن سے سُنے ہیں۔

Marfat.com

(۳۴)

بیان کرتے ہیں کہ امیر، رئیس کبیر، سخی، شریف، ابواسحٰق ابراہیم بن الحجاج [۱] نے بغداد کی ایک "جاریہ" (کنیز) کی شہرت سنی جس کا نام قمر تھا، تو انھوں نے گراں قدر مال دے کر مشرق سے اس کو خریدنے کیلئے آدمی بھیجا، تاآنکہ وہ دارالخلافہ اشبیلیہ میں قیام پذیر ہوئی۔ وہ چمکتے چاند کی طرح تھی، بیان، فصاحت اور لحن وسرود سے خوب واقف تھی، امیر نے اسکو اسم بامسمّیٰ قمر پایا۔ وہ شعر بھی کہتی تھی جو شیریں ہوتے تھے اور پسند کئے جاتے تھے۔ یہ شعر اسی کے ہیں جس میں وہ اپنے ملامت گر کو جواب دیتی ہے:۔

"لوگ کہتے ہیں کہ قمر پھٹے پرانے کپڑوں میں وارد ہوئی
وہی جس نے (ناوک) مژگان سے دل فگار بنا دیا تھا۔
شام کے وقت دلدل پار کی تو صبح کو کچھ اور راستے طے کئے
اس طرح یکے بعد دیگرے مختلف ممالک کی سرزمین سے گذرتی ہوئی (آئی)
نہ تو یہ اپنے وطن کی آزاد شریف عورتوں میں سے ہے
اور نہ اس کو بجز شعر سنانے اور شعر پڑھنے کے اور کچھ آتا ہے۔
اگر ان میں ذرا بھی سمجھ ہوتی تو اپنی اس "غمابیہ" کی عیب جوئی نہ کرتے
کیا ہی خوب ہے وہ کنیز جو شریف بیبیوں کو شرما دے۔
ایک انسان کے لئے کوئی چیز قابل فخر نہیں بجز اولوالعزمی کے
دیانتداری اور اللہ کے ساتھ وفاداری کے بعد۔
مجھے تو بس جہل سے دور رکھو، جہل والے کو میں پسند نہیں کرتی۔
جہل کبھی بھی بے عزتی اور عار سے خالی نہیں ہوتا۔
اگر ایسا ہو کہ جنت صرف جاہل عورت کے لئے ہو
تو میں یہ پسند کروں گی کہ پروردگار (میرے لئے) دوزخ کا حکم دے۔"

[۱] بنو حجاج اشبیلیہ کا بڑا سربرآوردہ خاندان تھا۔ ابراہیم نے، جن کا انتقال ۲۸۸ھ میں ہوا، امیر عبداللہ بن محمد کے خلاف کھل کر بغاوت کی تھی۔ اندلس کے مشہور شاعر و ادیب "ابن عبد ربہ" کے ممدوح ہیں۔

Marfat.com

امیرالمومنین

عبدالرحمٰن بن محمد الناصر لدین اللہ

۳۰۰ ـــــ ۳۵۰ھ

(۳۵)

یہ "الناصر" وہی ہیں جنھوں نے شاہانِ اندلس میں سب سے پہلے اپنے کو "امیرالمومنین" کہلایا اور سلطانی القاب میں سے ایک لقب "الناصر" اختیار کیا۔ ان کے بعد جو بادشاہ ہوئے وہ بھی اپنے کو امیرالمومنین کہلاتے رہے۔ اور لقب سلطانی اختیار کرتے رہے۔ یہ دستور اس وقت عمل میں آیا جب خلافتِ عباسیہ میں ہیجان بپا تھا اور اس کی کمزوری کے نتیجہ میں ترک اور دَیلَم کی حکومتیں ظہور پذیر ہوگئی تھیں، چنانچہ امارت مومنین الناصر کے مرتبہ کے سزاوار بن گئی تھی، ان کے بعد ان کے جانشینوں میں بھی یہ نام چلتا رہا۔ جامع قرطبہ کے خطیب احمد بن بقیؔ بن مَخلَد نے اس زندہ جاوید نام کے ذکر کا آغاز بروز جمعہ یکم ماہِ ذی الحجہ ۳۱۶ھ کیا۔ احمد بن عبدربہ نے ان کی تخت نشینی کے دن سے متعلق ایک قصیدہ میں یہ بیت کہے ہیں:-

"ہلال نیا بن کر نمودار ہوا ہے [1]
اور بادشاہت تروتازہ ہے۔
اے نعمتِ خداوندی! تو اور زیادہ ہو،
مگر اب کیا باقی رہ گیا ہے جو تو اور زیادہ ہو!"

(۳۶)

ان کی تخت نشینی کے وقت اندلس ایک دہکتی چنگاری تھی، ایک آگ تھی جس سے افتراق اور نفاق کے شعلے اٹھ رہے تھے، انھوں نے اس کی آگ کو بجھایا اور زلزلوں

[1] تخت نشینی یکم ربیع الاول کو ہوئی تھی۔

Marfat.com

کو ساکن کیا اور بے شمار لڑائیاں لڑیں۔ انھیں عبدالرحمٰن الداخل کے برابر بتایا جاتا ہے۔ انھوں نے باغیوں کو اپنا کہا ماننے پر مجبور کیا، قصر تعمیر کئے، شجرکاری کی، اور ہمیشہ رہنے والے آثار چھوڑے۔ کفر کی خوب ہی سرکوبی کی تا آنکہ اندلس میں ان کا کوئی مخالف باقی نہیں رہا، اور نہ کوئی مدمقابل جھگڑنے کے لئے بچا۔ لوگ فوج در فوج انکے حلقہ بگوش ہوئے اور ان سے صلح کے آرزومند ہوئے۔ اسی پر ان کے شاعر ابن عبدربہ نے کہا ہے :-

" اللہ نے جادۂ اسلام کو واضح کر دیا ہے،
لوگ سچے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔
دنیا یہاں بسنے والوں کو اپنی سج دھج دکھا رہی ہے
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ریشمی پھول دار لباس پہنے ہوئے ہے "

Marfat.com

عمر بن حفصون

(۳۷)

عُمَر بن حَفصُون' اندلس کا سب سے بڑا باغی تھا۔ اس کا نسب یہ ہے،
عُمَر بن حفص، معروف بہ حفصون'، بن عمر بن جعفر بن شتیم بن ذُبیان بن فَرغَلُوش بن اذفونش۔
امان دادہ ذمیون میں سے تھا، ان میں سے جو اسلام لایا وہ جعفر بن شتیم تھا، پھر اس کی نسل
دائرۂ اسلام میں رہی اور بڑھتی گئی .... یہ عمر وہی ہے جس نے ابتداءً امیر محمد
(بن عبدالرحمٰن بن الحکَم) کے خلاف بغاوت کی، آگے چل کر اس کا فتنہ و شر اس حد کو پہنچا
کہ اندلس کا کوئی باغی اس درجہ کو نہ پہنچا تھا۔ جب اس نے نفاق کا آغاز کیا تو قلعہ بَبَشتر[1]
کو اپنا مرکز اور مستقر بنایا، یہ اندلس کا سب سے زیادہ محفوظ قلعہ تھا....... جوں جوں
دن گذرتے گئے اس کی شان و شوکت برابر بڑھتی گئی تا آنکہ اندلس میں جمہور مسلمین کے
امام تین خلیفہ اس کے سامنے گذر گئے، جن میں سے پہلے یہی امیر محمد ہیں، وہ تینوں کے
بعد بھی بدستور باقی رہا یہاں تک کہ چوتھے بادشاہ عبدالرحمٰن الناصر کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔"

---

[1] Bobastro. (بُبَشتر)

عمر بن حفصون کی بغاوت جو ۲۷ سال (۲۶۹ھ تا ۳۰۶ھ) جاری رہی اور جس نے یکے بعد دیگرے چار بادشاہوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا، تاریخِ اسلام میں ایک بہت بڑا درسِ عبرت ہے۔ اسلام کے دینِ فطرت ہونے کا سب سے بڑا عملی ثبوت یہ ہے کہ تبلیغ کے راستے سے کفر کی کھڑی کی ہوئی رکاوٹیں ہٹتے ہی سادہ لوح انسان اس کے سادہ و مختصر عقائد اور سادہ وسیع نظامِ معاشرت میں جوق در جوق داخل ہونے لگتے ہیں، اور چونکہ اپنی سادہ فطری عقل سے سوچ سمجھ کر ایمان لاتے ہیں، اس لئے اسلامی معاشرہ سے ان کی توقعات بالکل صاف اور واضح ہوتی ہیں۔ پھر اسلام میں رہبانیت کا نظام بھی نہیں جو انھیں اپنی عقل و سمجھ پر اعتماد کرنے سے باز رکھے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر حکمراں طبقہ کی خود غرضی اور ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے ان کی وہ توقعات پوری نہ ہوں جو انھوں نے اسلامی معاشرہ سے وابستہ کی تھیں تو انھیں بجا طور پر شکایت ہوتی ہے، حکمرانوں کی مزید بے توجہی اور غفلت سے بغاوت کا جذبہ ابھرتا ہے اور جہاں گردوپیش کے حالات بگڑتے ہیں لاوا اُبل پڑتا ہے۔ محکوم اور محروم نومسلم عناصر کی بغاوت اسلام کے خلاف نہیں ہوتی بشرطیکہ انھیں دینی اسلامی قیادت میسر آجائے، خوش قسمتی سے ایران میں ایسا ہی ہوا اور عجمی خدمتِ اسلام میں عربوں پر بازی لے گئے۔ اندلس میں نومسلم اہلِ بلد کی قیادت ایسے شرپسند اشخاص کے ہاتھ میں آگئی جو جذبۂ انتقام سے مغلوب تھے، انھیں شیطان سے بھی سازباز کرنے میں باک نہ تھا۔

(۳۸)

اتفاق ایسا ہوا کہ عمر بن حفصون کا زمانہ بڑی بدحالی کا تھا، دلوں میں سختی اور بگاڑ پیدا ہوگیا تھا، باطن پاک نہ تھے، شر کی طرف لپکتے تھے، فتنہ کے منتظر رہتے تھے، چنانچہ جب عمر بن حفصون نے بغاوت کی تو لوگ اس کے ساتھ ہولئے اور اس کی بات ماننے لگے اسلئے کہ

Marfat.com

جیسا وہ تھا ویسے ہی لوگ بھی تھے، ایک دوسرے سے میل کھاتے تھے، اس طرح ساری دنیا اس کے گرد اکٹھا ہو گئی، اور اس نے ہمدردی کی راہ سے ان میں مقبولیت حاصل کی۔ وہ کہتا تھا: "بادشاہوں کو تم پر سختیاں کرتے ہوئے کتنا زمانہ گذر گیا، وہ تمہاری دولت چھین لیتے ہیں، اور تم پر ایسے بار ڈالتے ہیں جو تمھاری طاقت سے باہر ہوتے ہیں۔ عربوں نے تم کو ذلیل کر رکھا ہے اور غلام بنا رکھا ہے، میں تو صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تمہارا بدلہ لوں اور تم کو غلامی سے نجات دلاؤں۔" ابن حفصون جس کے سامنے بھی یہ مقصد رکھتا تھا وہ اس کا ہم نوا ہو جاتا تھا اور اس کا احسان ماننے لگتا تھا۔ اس طرح قلعہ بند آبادیوں پر اس کا حکم چلنے لگا۔ اس کے پیرو چالاک عیّار اور شرّی لوگ تھے۔ وہ ان کے دلوں میں ملک گیری اور مالِ غنیمت کی اُمیدیں اُبھارتا تھا۔ نیز وہ اپنے ساتھیوں سے محبت کا برتاؤ کرتا تھا اور اپنے دوستوں سے تواضع کے ساتھ پیش آتا تھا۔ شریر اور فاسق ہونے کے باوجود غیرت مند اور ناموس کا محافظ تھا اور یہ بھی منجملہ ان اسباب کے تھا جو لوگوں کو اس کی طرف مائل کرتے تھے۔ اس کے زمانہ میں ایک عورت مال و متاع لئے اکیلی ایک شہر سے دوسرے شہر چلی جاتی تھی اور کوئی اللہ کا بندہ اس سے تعرض نہ کرتا تھا۔ وہ صرف تلوار کی سزا دیتا تھا۔ عورت، مرد، بچّہ کوئی بھی کسی کے بھی خلاف جو کہے اسے سچا مان لیتا تھا، صرف شکایت کافی تھی، گواہ تک نہ مانگتا تھا۔ اپنے بیٹے تک سے حق دلواتا تھا، لوگوں کے ساتھ نیکی کرتا تھا، بہادروں کی عزّت کرتا تھا، اور جب ان کو اپنی قوّت سے زیر کرلے تو معاف کر دیتا تھا۔ جب وہ نمایاں کام کریں تو ان کو سونے کے کنگن پہناتا تھا۔ یہی سب باتیں اس کی تقویت کا سبب بنیں۔"

بجائے اسکے کہ کوئی دینی قیادت نو مسلموں کے جائز حقوق کی حمایت کرتی، اندلس میں یہ ہوا کہ عرب بھی پست قومی سطح پر اتر آئے اور انھوں نے ابن حفصون کا جواب ترکی بہ ترکی دیا۔

(۳۹)

اس تاریخ (۲۷۶ھ) میں سعید بن جودی عربوں کو ساتھ لے کر اُٹھ کھڑا ہوا، اس نے لڑائی اور ہتھیار سے ابن حفصون کا توڑ کیا یہاں تک کہ اس کا ناطقہ بند کر دیا اور

ہر طرف سارے راستے اس پر تنگ کر دئے۔ ابن حفصون جب طاقت وقوت سے مقابلہ کرنے میں ہار گیا تو اس نے مکر وحیلہ سے کام لیا۔ بالآخر اس نے سعید بن جودی کو پکڑ لیا اور وہ قید ہوگیا، بُبَشتَر میں کئی ماہ پا بہ زنجیر پڑا رہا۔ پھر ابن حفصون نے اس کے بدلہ بہت سا مال لینا قبول کیا اور اسے قید سے آزاد کر دیا۔ اس کے بعد وہ (سعید) امیر عبداللہ کے خلاف کارروائیوں میں لگ گیا اور پھوٹ ڈالتا رہا یہانتک کہ اسکے ساتھ ایک چال چلی گئی اور اسے اس کی ایک یہودن معشوقہ کے گھر میں دھوکہ دے کر قتل کیا گیا۔

سعید بن جودی کے پیشرو سوّار بن حمدون نے عجم اور مولّدین پر جو ظلم ڈھائے تھے اور جس کے باعث ان کے جذبات بے قابو ہو گئے تھے اس کی ایک جھلک ذیل کے بیان میں دکھائی دیتی ہے۔ ایسے حالات میں اگر ابن حفصون نہ پیدا ہوتا تو تعجب کی بات تھی :-

(۴۰)

جب سوّار ابن حمدون قتل ہوا تو اس کے قتل سے عرب ذلیل ہو گئے اور اس پر جو کچھ گذری اس سے ان کا زور ٹوٹ گیا۔ وہ ابن حفصون کے ایک ساتھی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ مولّدین کی غمزدہ عورتوں نے اس کے جُثّہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے اور ان میں سے بہتوں نے عداوت اور انتقام کے جذبہ کے تحت اس کا گوشت کھایا بھی تھا، اس لئے کہ ان کو سوّار کے ہاتھوں بار بار اپنے شوہروں اور عزیزوں کا غم اٹھانا پڑا تھا۔ سوّار کے بعد عربوں نے اپنے امیر کی حیثیت سے اس کے ساتھی سعید بن جودی کو کھڑا کیا اور اسی سے اپنی امیدیں وابستہ کیں، وہ سوّار کی جگہ پُر نہ کر سکا اور نہ سیاست میں اس کے درجہ کو پہنچا، اتنا ضرور ہے کہ وہ بڑا بہادر اور جنگ جو شہسوار تھا۔ شہسواری کے ساتھ ساتھ اصناف علم میں بھی دسترس رکھتا تھا ور اقسام ادب میں تحقیق کے رتبہ کو پہنچا ہوا تھا، بلند پایہ ادیب اور خوشگو شاعر تھا۔

کہتے ہیں کہ اس (سعید بن جودی) کے قتل کا سب سے بڑا سبب چند ابیات ہیں جو اس نے ائمہ بنی مروان کی تنقیص میں کہے تھے۔ انھیں میں سے یہ بیت ہیں جن کا مخاطب عبداللہ ہے :-

Marfat.com

"اے بنو مروان! اب بھاگنے کی فکر کرو۔
باغی وادیٔ قصب سے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔
اے بنو مروان! ہمارا ملک چھوڑ بھاگو،
مُلک کے حق دار تو صرف "ابنا رعرب" (مولّدین) ہیں۔"

(۴۱)

یہ شعر بھی اسی کے اس موقع پر کہے ہوئے ہیں جب اس کو فتنۂ اندلس کے سرغنہ اور آگ لگانے والے، عجم اور مولدین کی عصبیت کے رکن رکین، عمر بن حفصون نے قید کر لیا تھا:۔

"میرے دوستو! صبر کرو، ایک شریف انسان صبر ہی میں سکون پاتا ہے،
ایک شریف انسان کے لئے کرب میں صبر جیسی اور کوئی چیز نہیں۔
کتنی بار ایسا ہوا ہے کہ ایک اسیر پابہ زنجیر رہا۔
پھر رحمٰن نے اس کو حلقۂ قید سے چھٹکارا دیا۔
اگر تم اور میں قید میں ہوں،
تو یہ نتیجہ ہے غدر کا نہ کہ کھلی لڑائی کا۔
اگر مجھے ذرا بھی اندیشہ ہوتا اس بات کا جو پیش آئی ہے
تو گندم گوں رُدَینی نیزوں کی نوکیں مجھے بچا سکتی تھیں،
یہ تو سبھی بہادر نوجوان جانتے ہیں کہ میں ہتھیار بند
شہسوار ہوں اور خطرہ کے وقت آگے بڑھتا چلا جاتا ہوں۔

(۴۲)

اس زمانہ میں اندلس میں باغیوں کی کثرت کے تین وجوہ ہیں:۔ پہلا یہ کہ علاقے خاصے محفوظ اور قلعے مستحکم تھے، وہاں کے رہنے والوں میں دشمنانِ دین کے قرب کے باعث سختی اور درشتی آگئی تھی ـــــ اور اپنے علاوہ ہر ایک کے خلاف دبدبہ اور قوت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ حوصلے بڑھے ہوئے تھے، غرور سے ناکیں چڑھی ہوئی تھیں،

Marfat.com

بارِ اطاعت ناگوار تھا، اندلس میں عرب ہوں یا بربر جو بھی شرفاء آتے تھے وہ ایک دوسرے کی اطاعت کو باعثِ توہین سمجھتے تھے۔ تیسرے یہ کہ جب مجبوری ہو اور کوئی چارہ باقی نہ رہے تو عیسائیوں کے بادشاہ کی پشت پناہی حاصل تھی جو ایسے لوگوں کے لئے ایک بلند پہاڑ اور زبردست قلعہ کی طرح تھا اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے لئے تیار رہتا تھا۔"

انھیں حالات کی وجہ سے اندلس کے حکمراں پوری طاقت جھونک دینے کے بجائے نرمی اور حکمت عملی سے کام لیتے رہے۔ وہ باغیوں کے خلاف فوج کشی کرتے تھے لیکن ان کا قلع قمع کرنے کے بجائے برائے نام اطاعت کے وعدہ پر قناعت کرکے لوٹ آتے تھے۔ باغی پھر سر اٹھاتے تھے تو انھیں ڈھیل دیتے تھے، جب پانی سر سے اونچا ہو جاتا تھا تو پھر فوج لے کر چڑھائی کرتے تھے۔ وہ ڈرتے تھے کہ اگر پوری طاقت سے جنگ کی تو نقصانات بہت ہوں گے اور فتح ہوئی تو بھی ان کے اپنے وسائل کی کمر ٹوٹ جائے گی، دوسرے ہر وقت اس کا خطرہ رہتا تھا کہ مبادا باغی ہر طرف سے مایوس ہو کر عیسائیوں سے جا ملیں۔ ابن حفصون کے ساتھ یہی ہوا۔ وہ جب بھی کمزور پڑا جھٹ اطاعت کا وعدہ کر لیا اور خطرہ ٹل جانے کے بعد پھر باغیانہ سرگرمیاں جاری کر دیں۔ اس نے حسبِ موقع بغداد کے عباسیوں اور افریقہ کے اغالبہ سے مدد چاہی لیکن جب اس میں ناکام ہوا تو بالآخر عیسائیوں کی گود میں جا پڑا اور خود اپنی نصرانیت کا اعلان کر دیا۔

(۴۳)

۲۸۶ھ میں ابن حفصون نے اپنے نصرانی ہونے کا اعلان کر دیا، اس وقت تک وہ اس کو چھپائے ہوئے تھا اور اندر ہی اندر مشرکین سے ساز باز کئے ہوئے تھا۔ جب وہ مسلمانوں سے کٹ کر ان کی دشمنی پر آمادہ ہوا تو بہت سے لوگوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ عوسجہ بن الخلیع اس پر الٹ پڑا اور قلعہ قنیط مستحکم کرکے وہاں سے امیر عبداللہ کی حمایت میں ابن حفصون سے جنگ کرنے لگا۔ اس وقت سے ابن حفصون پر تابڑ توڑ

Marfat.com

حملے ہوئے اور سارے مسلمانوں نے اس سے لڑنے کو جہاد کا درجہ دیا۔ چنانچہ گرما اور سرما میں مسلسل اس کے خلاف جنگی کارروائیاں ہوتی رہیں اور فوجی قائد ذرا بھی سست پڑے بغیر کبھی پڑاؤ ڈالتے اور کبھی کوچ کرتے رہے۔ اسی مناسبت سے قائد ابن ابی عبدۃ کو مخاطب کر کے ابن قُلزم کہتا ہے:۔

" ہر گرما اور ہر سرما میں
کچھ بھی ہو تو دو غزوے ضرور کرتا ہے۔
ایک میں دشمن کو ہلاک کرتا ہے اور دوسرے کے ذریعے
امام کو بیت المال کا فائدہ پہنچاتا ہے۔"

ابن حفصون کے نصرانی ہوتے ہی اس کے خاتمہ کا آغاز ہو گیا۔ اس کی تدبیر الٹی پڑی۔ اس کے ساتھیوں کی دینی حمیت عربوں کے خلاف جذبۂ انتقام پر غالب آگئی اور وہ سب کچھ بھول کر شرک کے نرغہ سے اسلام کو بچانے کے لئے انھیں عربوں کے دوش بدوش صف آرا ہو گئے تاآنکہ ابن حفصون نے آخری بار ہتھیار ڈال دئے۔ اپنی ذات سے ابن حفصون جو بھی رہا ہو، اس کے ساتھیوں کی نیت میں خرابی نہ تھی۔ وہ ایسی قیادت چاہتے تھے جو دین کا سچا نمونہ ہو۔

ابن حفصون کے علاوہ تقریباً سارے ہی امرا اندلس کے مختلف حصوں میں اپنا اپنا اقتدار الگ جمائے بیٹھے تھے اور سرکش ہو گئے تھے۔ عرب آپس میں ایک دوسرے سے باغی تھے اور بربر اور مقامی اندلسی عربوں سے انتقام لینے پر تلے ہوئے تھے۔ الناصر کوئی معمولی بادشاہ نہ تھا، اس کا بڑا دل گردہ تھا، اس نے بیک وقت سب سے نمٹنے کی ٹھان لی اور اپنی پوری طاقت اور ذرائع و وسائل سے کام لیا۔ مسکن دوائیں استعمال کرنے کے بجائے اس نے عملِ جرّاحی سے اصل مرض کا قلع قمع کیا۔ پچاس سالہ عہد حکومت میں سکون آرام کے صرف چودہ دن اسے نصیب ہوئے لیکن سلطنت ازسرِنو منظم و مستحکم ہو گئی۔

Marfat.com

(۴۴)

۳۵۰ھ میں الناصر رحمہ اللہ نے انتقال کیا۔ یہ واقعہ اس سال رمضان کے شروع کا ہے۔ ان کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک تاریخ ملی جس میں انھوں نے کہا تھا۔ "میری بادشاہت کی پوری مدت میں ایسے خوشی کے دن جن میں کسی کدورت کا شائبہ تک نہ ہو فلاں دن ہیں فلاں مہینوں اور فلاں سالوں کے" یہ دن جب گنے گئے تو معلوم ہوا کہ کل چودہ دن ہیں۔ اے غافل! تجھے حیرت ہونی چاہئے اس بات پر کہ دنیا کی کوئی خوشی خالص نہیں اور یہ اپنے بادشاہوں کو بھی حالات سے پورا اطمینان نہیں بخشتی۔ خلیفہ الناصر بچاس سال سات مہینے اور تین دن بادشاہ رہا۔ لیکن دنیا میں اسے چین کے صرف چودہ دن نصیب ہوئے۔ پاک ہے وہ ذات جس کی عزت بڑی اور حکومت باقی رہنے والی ہے۔ اس کا نام برکت والا اور بلند مرتبہ ہے۔

عین اُس وقت جبکہ الناصر اندرون ملک باغیوں سے نمٹ رہا تھا اور داخلی استحکام کی تدابیر کر رہا تھا اس نے سرحد سے متصل خارجی دشمنوں کی سرزنش کے لئے بھی فوجی کارروائیاں کیں۔ یہ ویسا ہی اقدام تھا جیسا کہ ابوبکرؓ نے کیا تھا اس وقت جب کہ فتنۂ ارتداد کی پروا نہ کرتے ہوئے جیش اُسامہ کو رسُول اللہؐ کے منصوبہ کے مطابق روانہ کیا۔ اس سے یہ ہوا کہ داخلی اور خارجی دونوں دشمن مرعوب ہو گئے، نہ تو خارجی دشمن کو داخلی محاذ کی کمزوری سے فائدہ اُٹھانے کا خیال آیا، نہ خارجی محاذ پر دباؤ کی وجہ سے باغیوں کی حوصلہ افزائی ہوئی، نہ ہی داخلی اور خارجی دُشمن آپس میں سازباز کی سوچ سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں محاذوں پر کامیابی آسان ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے شاندار کامیابی ہوئی۔ اِدھر داخلی استحکام مکمل ہوا اُدھر جبال البرت کے اس پار قسطنطنیہ سے لے کر ساحل اوقیانوس تک جتنے معاصر بادشاہ تھے سب نے دوستی کی پیش کش کی۔

(۴۵)

۳۳۶ھ میں شاہ قسطنطنیہ کے سفراس کی طرف سے ہدیہ لے کر الناصر کی خدمت

Marfat.com

میں آئے۔ اس وقت قسطنطنیہ کا بادشاہ قسطنطین تھا۔ الناصر نے ان کی آمد کا ایسا اہتمام کیا کہ وہ دن یادگار رہے گا۔ ابنِ خلدون کا کہنا ہے کہ اس روز فوج بہترین سازو سامان سے لیس ہو کر نکلی، قصرِ خلافت کو ہر قسم کی آرائش سے اور طرح طرح کے پردوں سے سجایا گیا، تختِ خلافت پر بیٹوں، بھائیوں، چچاؤں اور عزیزوں کی نشستیں خوبصورتی سے جمائی گئیں وزرا اور خدام ترتیب سے اپنی اپنی جگہ کھڑے ہوئے، جب سفیر داخل ہوئے تو یہ سب کچھ دیکھ کر ان پر ہول طاری ہو گیا۔ انھیں عزت و اکرام کے ساتھ پاس بٹھایا گیا تب انھوں نے اپنا پیام پہنچایا۔ اس روز ممتاز علمی شخصیتوں کے ذمہ یہ تھا کہ وہ محفل میں خطبہ دیں، اسلام اور خلافت کی عظمت بیان کریں، اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کریں کہ اس نے اپنے دین کو برتری اور عزت بخشی اور دشمنوں کو نیچا دکھایا، چنانچہ ممتاز لوگ اس کی تیاری کر کے گئے، پھر بھی اس مجلس کی ہیبت ان پر ایسی چھائی کہ زبان اٹک گئی، بولنے کی مزید کوشش کی تو حواس باختہ ہو گئے، ان ممتاز شخصیتوں میں ابو علی القالی بھی تھے، جو عراق سے آئے تھے اور ولی عہد الحکم کے وابستگان میں تھے، انھیں دوسروں پر مقدم رکھ کر بطورِ خاص بلایا گیا تھا لیکن وہ کچھ نہ کر سکے۔ جب سب خاموش ہو گئے تو منذر بن سعید البلوطی کھڑا ہوا، اس نے نہ تو تیاری کی تھی، نہ پہلے سے کچھ سوچا تھا، اور نہ کسی نے اس سلسلہ میں اس سے کچھ کہا تھا، اس نے خطبہ دیا، برجستہ بیان کیا، اور مطلب خوب واضح کیا، اس مناسبت سے اس نے بہت سے شعر بھی فی البدیہہ موزوں کر کے سنائے، چنانچہ اسے اس مجلس میں سب سے بڑا اعزاز حاصل ہوا، اور وہاں جو کچھ پیش آیا اس میں سب سے زیادہ حیرت لوگوں کو اس کے بارے میں ہوئی۔

یہ شعر اسی واقعہ سے متعلق خود اس کے ہیں :۔

" میری بات تلوار کی دھار کی طرح ہے محفلوں میں\
اس کے ذریعہ میں نے حق اور باطل کو الگ الگ کر دیا۔\
نہ تو میرا پاؤں پھسلا، نہ میری زبان لڑکھڑائی\
نہ میرے حواس باختہ ہوئے اس دن جب کہ زمین ہل رہی تھی۔

Marfat.com

میرے چاروں طرف سے آنکھیں مجھ میں گڑی ہوئی تھیں مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا
جیسے تیر ہیں جو جسم کے نشانوں میں پیوست کر دیے گئے ہیں۔
بہترین امام کی طرف جو کبھی بھی ہوا یا ہوگا
آیندہ زمانے میں یا گذرے ہوئے زمانوں میں۔
تم دیکھتے ہو کہ لوگ فوج در فوج اس کے دروازے کا رخ کئے ہوئے ہیں
اور سب کے سب کچھ نہ کچھ آس امید لگائے ہوئے ہیں
شاہانِ روم کے وفود اس کے جناب میں حاضر ہیں
یا تو طاقت کے ڈر سے یا بخشش کی امید میں۔
تو زندہ و سلامت رہے، تیری زندگی زیادہ سے زیادہ ہو، تو امیدوں کا مرکز
بن کر رہے
تجھ سے تو ہر ایک کی لو لگی ہوئی ہے، اس کی بھی جو ننگے پیر ہے اور اس کی بھی
جو جوتا پہنے ہے۔
تو مشرق سے مغرب تک ساری زمین کا مالک ہوگا
قسطنطین کے دروازہ تک، نیز بابل کے ملک تک۔"

کہتے ہیں کہ الناصر نے اپنے بیٹے الحکم سے منذر کی بابت پوچھا کہ کون ہے اور کہا۔
اس نے ماشاراللہ بہت اچھا کہا، اگر اسے اندیشہ تھا کہ یہ صورت پیش آئے گی جو کہ پیش آئی
اور اس لئے اس نے نوک پلک درست کر کے خطبہ تیار کر رکھا تھا کہ آڑے وقت میں کام آئے
تو یہ کارکردگی اور احتیاط کتنی عجیب ہے۔ اور اگر اس نے بروقت فی البدیہ خطبہ دیا تو اور
بھی زیادہ عجیب و غریب بات ہے۔

جب منذر خطبہ سے فارغ ہوا تو اس نے یہ شعر پڑھے :۔
"یہ مقام (اس موقع پر میرا خطابت کا کارنامہ) عقل کی کمی کے عیب سے پاک ہے۔
لیکن بولنے والے کا وطن اس کے لئے باعثِ تحقیر ہے۔
اگر میں اس ملک کے باہر کا ہوتا تو نئی نئی چیزوں کا مالک ہوتا،

Marfat.com

لیکن مَیں تو یہیں کے رہنے والوں میں سے ہوں، اس لئے بدبختی نے مجھے
گھیر رکھا ہے۔
اگر خلافت (خدا اس کی حُرمت قائم رکھے) نہ ہوتی
تو مَیں کبھی ایسی سرزمین میں رہنا گوارا نہ کرتا جہاں (میرا) کوئی بھی نہیں ہے۔"
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابو علی القالی پر چھینٹے ڈال کر کہہ رہا ہے کہ انھیں ترجیح دی گئی
اور اس موقع پر آگے بڑھا گیا، واللہ اعلم۔

عبدالرحمٰن الناصر اور منذر بن سعید البلوطی

(۴۶)

ایک روز منذر بن سعید الناصر کے پاس آئے جو الزّہراء کے بانی ہیں، الناصر تعمیر کے کاموں میں ہمہ تن مصروف تھے، منذر نے انھیں نصیحتؔ کچھ کہا، اس پر عبدالرحمٰن الناصر نے یہ شعر پڑھے:۔

"بادشاہوں کو جب یہ آرزو ہوتی ہے کہ ان کے بعد ان کی عالی ہمتی کا چرچا ہو

تو وہ عمارتوں کی زبان سے چرچا کراتے ہیں۔

دیکھ لو، دونوں ھرم آج تک باقی ہیں دراںحالیکہ

کتنی سلطنتیں ہیں جنھیں زمانے کے حادثات نے مٹا ڈالا۔

عمارت کا عظیم الشان ہونا

پتہ دیتا ہے ایک عظیم الشان (انسان) کا"

معلوم نہیں یہ شعر خود عبدالرحمٰن الناصر کے ہیں یا کسی دوسرے کے ہیں جو انھوں نے موقع کی مناسبت سے سنائے، اگر انھیں کے ہیں تو حسن کلام کی حد کردی ہے اور اگر موقع کی مناسبت سے انھیں یاد آگئے تو بھی اس موقع پر یہ شعر اتنے موزوں ہیں کہ وہ حسنِ کلام کی داد کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

منذر ان کو اکثر و بیشتر تعمیرات کے بارے میں سخت کہا کرتا تھا، ایک مرتبہ وہ الناصر کے پاس آیا۔ اس وقت وہ ایک قبّہ کے اندر تھے جس کی اینٹیں انھوں نے سونے چاندی کی بنوائی تھیں اور اس پر اتنی توجہ دی تھی کہ ان کے خیال میں کوئی بادشاہ اس درجہ کو نہیں پہونچا تھا۔ منذر بولنے کھڑا ہوگیا، مجلس میں سارے اربابِ حکومت جمع تھے، اس نے یہ آیت تلاوت کی:۔

"اگر یہ نہ ہوتا کہ سارے کے سارے لوگ ایک ہی امّت بن جائیں (کفار کا

عیش و عشرت دیکھ کر کفر ہی کا طریقہ اختیار کرلیں) تو ہم رحمٰن کو نہ ماننے والوں کے لئے ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے، اور سیڑھیاں بھی جن پر وہ چڑھتے ۔۔ الآیۃ

سُورۃ زخرف ۸

آیت کے بعد اسی کی مناسبت سے کچھ اور کہا۔ بادشاہ خاموش ہو گیا، معلوم ہوتا تھا کہ اسے بڑی تکلیف ہوئی لیکن علم اور دین کے لحاظ سے منذِر بن سعید کا مرتبہ اتنا بلند تھا کہ اسے برداشت کرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ ایک اور مؤرّخ (ابن الحسن النباہی) کا کہنا ہے کہ بادشاہ تھوڑی دیر سر جھکائے رہا، اللہ کے سامنے عاجزی سے اس کے آنسو گرتے رہے، پھر اس نے منذِر کی طرف دیکھ کر کہا:۔ قاضی! اللہ تمہیں ہماری طرف سے اور خود تمھاری طرف سے نیک جزا دے، اور دینِ اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بڑے سے بڑا صلہ دے، اور تمھارے جیسے لوگ خدا کرے کہ اور بہت سے ہوں، تم نے جو کچھ کہا دہی حق ہے، پھر وہ استغفار کرتا ہوا اس مجلس سے اُٹھ کر چلا گیا، اور حکم دیدیا کہ اس خوبصورت قبہ کی چھت توڑ دی جائے اور دوبارہ اس کو مٹی کی اینٹوں سے بنایا جائے۔

(۴۷)

ایک روز منذِر الزھراء میں الناصر کے پاس بیٹھا تھا ۔ الرئیس ابو عثمان بن ادریس نے کھڑے ہو کر قصیدہ سُنایا جس میں یہ شعر بھی تھے۔

لہ ایک روایت یہ ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آیا جب الناصر الزھراء کی تعمیرات کی نگرانی میں انہماک کے باعث دو تین ہفتے جمعہ کی نماز میں بھی حاضر نہ ہوا۔ اس کے بعد جب وہ مسجد میں آیا تو منذر نے اسکا نام لئے بغیر آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے پردے میں بڑی سختی سے تنبیہ کی۔ سارے نمازی اور خود الناصر رو پڑا۔ لیکن جب نماز سے فارغ ہو کر لوٹا تو اتنا آزردہ ہوا کہ اس نے قسم کھالی کہ منذِر کے پیچھے نماز نہیں پڑھے گا۔ اس کے بیٹے الحکم نے کہا اگر ایسا ہے تو آپ منذر کو معزول کیوں نہیں کر دیتے۔ اسنے کہا۔ نہیں! مجھے تو صرف منذر کے لہجے سے تکلیف ہوئی تھی، اور اب تو میرا دل چاہتا ہے کہ جس طرح بھی ہو اپنی قسم کے کفارہ کی کوئی سبیل نکالوں تاکہ اسکی شفاعت سے محروم ہو کر مجھے خدا کے یہاں ندامت نہ ہو۔ اس کے جیسے صاحب علم و فضل کو اپنے گمراہ خطا کار نفس کے کہنے میں آکر معزول نہیں کیا جاتا۔ جب تک وہ زندہ ہے اور جب تک ہم زندہ ہیں نماز وہی پڑھائے گا۔ یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ ہم اس کا بدل تلاش کریں۔ نفح الطیب ۱/۲۶۶ ـ ۲۶۷۔

Marfat.com

"جو (عمارتیں) آپ یادگار چھوڑیں گے وہ شہادت دیں گی کہ آپ نے
کچھ برباد نہیں کیا، اور دین اور دنیا کو فروغ دیا۔
آباد جامع سے علم اور تقویٰ کو (فروغ دیا۔)
اور خوشنما الزہراء سے سلطنت اور جاہ کو۔"

الناصر جھومنے لگا اور بہت ہی خوش ہوا۔ منذر بن سعید تھوڑی دیر سر جھکائے رہا، پھر کھڑے ہو کر اس نے یہ شعر سنائے:۔

"اے الزھراء کے بانی! تو اپنا سارا وقت اسی میں صرف کرتا ہے،
کیا تجھے ہوش نہیں آئے گا؟
سبحان اللہ اس کی رونق کیا خوب ہے
بشرطیکہ اس کا پھول (زہرۃ) کملا نہ جائے۔"

الناصر نے کہا:۔ ابوالحکم[1] اس پرذکر شوق اور محبت بھری یادوں کی نسیم چلتی رہیگی اور آنسو اس کی آبیاری کریں گے تو انشاء اللہ یہ کبھی نہیں کملائے گا، منذر بولا! اے اللہ! تو گواہ ہے کہ میں نے اپنے ضمیر کی آواز ان کے کان میں ڈال دی اور ان کی خیر خواہی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اس میں شک نہیں کہ قاضی منذر (رحمہ اللہ) نے جو کچھ کہا تھا وہ بالکل سچ نکلا چنانچہ اس کے بعد ہی فتنہ و فساد میں زھراء کا پھول کملا گیا۔[2]"

الناصر اور منذر دونوں کی باتوں سے خلوص ٹپکتا ہے۔ منذر کارِ جہاں کی بے ثباتی پر پورے اخلاص کے ساتھ ایمان رکھتا تھا۔ الناصر اتنے ہی اخلاص کے ساتھ یہ عقیدہ رکھتا

---

[1] منذر کی کنیت۔ کنیت سے خطاب عزت و تکریم کے لئے ہے۔

[2] الناصر نے الزھراء کی تعمیر ۳۲۵ھ میں شروع کی جو ۳۵۰ھ میں اس کی وفات تک جاری رہی۔ پچاس سال کے اندر اندر ۳۹۹ھ کے فتنہ و فساد میں سارا شہر برباد ہو گیا۔ الناصر اور منذر کے مکالمات تفصیل سے ابن غالب کی فرحۃ الانفس" میں ملتے ہیں جس کا ایک ٹکڑا مجلۃ معھد المخطوطات العربیۃ (القاہرہ)، نومبر ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا ہے۔

Marfat.com

تھا کہ شوق اور خضوع سے معجزۂ ہنر کی آبیاری ہو تو اس میں رنگِ ثبات نکھر سکتا ہے۔ فن کی بابت ان دو متضاد نقطہ ہائے نظر کا تصادم تاریخ کے پردہ پر دیکھتے ہی ذہن اقبال کے ان ابیات کی طرف منتقل ہوتا ہے:

آنی و فانی تمام معجزہ ہائے ہنر | کارِ جہاں بے ثبات! کارِ جہاں بے ثبات!
اوّل و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا | نقشِ کہن ہو کہ نو، منزلِ آخر فنا!
ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام | جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام
مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ | عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام

آگے چل کر اقبال کا یہ شعر:

تیرا جلال و جمال مردِ خدا کی دلیل | وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل

اس کا مقابلہ الناصر کے اس شعر سے کیجئے:

"عمارت کا عظیم الشان ہونا
پتہ دیتا ہے ایک عظیم الشان (انسان) کا"[1]

اقبال کا خطاب "مسجد قرطبہ" سے ہے اور الناصر اور منذر کا موضوعِ بحث الزہراء تھا، الناصر نے اگر اس کی بنا ڈالی تو اُس کی توسیع و تکمیل کی۔ وہ الزہراء کو بھی اپنی عظمتِ شان کا نشان سمجھتا تھا۔ مسجد قرطبہ اور الزہراء میں فرق ضرور ہے لیکن اس کے باوجود شاید یہ کہنا بجا ہو گا کہ اقبال کے ان ابیات میں صاف طور سے الناصر اور منذر کی آویزش کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ بلکہ یہ کہنا بھی صحیح ہو گا کہ اقبال کی نظم "مسجد قرطبہ" کا مرکزی خیال وہی ہے جو الناصر اور منذر کی ردّ و قدح سے ابھرتا ہے یعنی یہ کہ دنیا کی بے ثباتی کے سیاق میں عظیم الشان عمارتوں کی قدر و قیمت کیا ہے؟ اقبال اصولی طور پر الناصر کے ہم نوا ہیں، وہ عظیم الشان عمارت کو دوسرے معجزہ ہائے فن یعنی شعر

---

[1] یہ مضمون اندلسی شاعری میں جا بجا ملتا ہے۔ ایک اور شاعر کہتا ہے (نفح الطیب ۱/۴۷۱)۔

وَمَا زِلْتُ اَسْمَعُ اَنَّ الْمُلُوْ | کَ تَبْنِیْ عَلٰی قَدْرِ اَخْطَارِھَا

"میں ہمیشہ سے سنتا آیا ہوں کہ بادشاہ اپنی شان کے مطابق عمارتیں بنواتے ہیں"

Marfat.com

اور سرود کا ہم جنس بتاتے ہیں، جو چیز، یعنی عشق، شعر کو رفت و بود سے بچا سکتی ہے وہی عمارت کے پھول کو بھی باقی و محفوظ رکھ سکتی ہے:۔

اے حرمِ قرطبہ! عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود!

دلوں کو گرمانے میں "خشت و سنگ" کی کارفرمائی "حرف و صوت" سے کم نہیں:

تجھ سے ہوا آشکار بندۂ مومن کا راز
اس کے دلوں کی تپش، اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقامِ بلند، اس کا خیالِ عظیم
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز

خلاصہ یہ کہ فن کی عظمت "سطوت دینِ مبیں" ہے:۔

کعبۂ اربابِ فن! سطوتِ دینِ مُبیں،
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں

اقبال کو مسلمانانِ اندلس کی تاریخ اور آثار سے خاص دلچسپی تھی۔ بالِ جبریل ہی میں اس کی شہادت متعدد مستقل نظموں اور جابجا ضمنی اشاروں سے ملتی ہے۔ مسجد قرطبہ سے اتنا گہرا تاثر بھی ندرت رکھتا ہے۔ اس کی وجہ بھی آسانی سے سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ کہ اندلس صرف "فردوس مفقود" نہیں بلکہ جدید علوم و فنون کے ارتقا کا حلقہ مفقودہ" بھی ہے[1]۔ کھجور کے درخت سے متعلق عبدالرحمٰن الداخل کے اشعار کے ذیل میں اقبال نے مقّری کی

---

[1] ہے زمینِ قرطبہ بھی دیدۂ مسلم کا نور، ظلمتِ مغرب میں جو روشن تھی مثلِ شمعِ طور
بجھ کے بزمِ ملتِ بیضا پریشاں کر گئی، اور دیا تہذیبِ حاضر کا فروزاں کر گئی
قبر اس تہذیب کی یہ سرزمینِ پاک ہے، جس سے تاکِ گلشن یورپ کی رگ نمناک ہے
بانگِ درا: "بلادِ اسلامیہ"

نفح الطّیب کا بھی ذکر کیا ہے، وہیں سے ہم نے الناصر اور منذر کے مباحثہ کا اقتباس لیا ہے۔ قرینِ قیاس یہی ہے کہ یہ اہم، دلچسپ اور سبق آموز تاریخی حکایت اقبال کے ذہن میں رہی ہوگی۔ بہرحال جس انداز میں الناصر نے قسطنطین کے سفیر کے استقبال میں منذر کے کارنامہ کی تعریف کی تھی اسی انداز میں ہم اقبال کی بابت کہہ سکتے ہیں کہ اگر ان کے ذہن میں یہ حکایت تھی تو انھوں نے اس سے جو تاثر لیا اسے بڑی خوبی سے اپنے فکر میں تحویل کر کے فلسفہ کی متناسب شکل وصورت دی اور شعر کا خوبصورت لباس پہنایا۔ یہ بجائے خود بڑا کارنامہ ہے۔ اور اگر یہ حکایت اُن کے ذہن میں نہیں تھی تب تو ان کا الناصر اور منذر کے درمیان محاکمہ کے انداز پر سوچنا کہیں زیادہ حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

لیکن اصولی طور پر یہ مان لینے کے بعد کہ سنگ وخشت کا معجزہ، ذوق وشوق کا امین ہو سکتا ہے اور یہ امانت اس کے لئے بقائے دوام کی ضمانت بن سکتی ہے، یہ بحث ناتمام رہے گی تاوقتیکہ ہم مسجدِ قرطبہ اور الزہراء کے فرق کو بھی اچھی طرح نہ سمجھ لیں۔

الرّئیس ابوعثمان بن ادریس نے جو شعر سنائے تھے اور جن کو سُن کر الناصر جھومنے لگا تھا ان میں اسنے الناصر کی دو عظیم الشان یادگاریں بتائی تھیں: ایک جامعؔ دوسری الزہراء۔ اپنے نیز اپنے ممدوح کے اسلامی شعور سے کام لیتے ہوئے انتہائی سادگی سے اس نے یہ بھی کہدیا تھا کہ جامع علم اور تقویٰ کیلئے ہے اور اس سے دین کو فروغ ہے، اور الزہراء سلطنت و جاہ کا مظہر ہے اور اس سے دنیا کو فروغ ہے۔ اسلامی فضا میں، جو "فِی الدُّنیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً" کی دعا سے معمور ہو، ایسی بات شاعرانہ مدح کے پیرایہ میں کہی جا سکتی ہے اور ممدوح کا اس سے وہ اثر لینا جو الناصر نے لیا بالکل معمول کے مطابق ہے، لیکن منذر جیسا فقیہ (یاد رہے کہ اس دور میں فقیہ کا شاعر، ادیب ہونا کوئی عجیب بات

سلہ الناصر نے جامع قرطبہ کی توسیع وتکمیل کا اہتمام کیا تھا اور ایک جامع الزہراء بھی نئی تعمیر کی تھی۔ جامع الزھـراء بھی شان میں کچھ کم نہ تھی لیکن حیات ملّی کا محور اور علم ودین کا مرکز جامع قرطبہ شروع سے جیسی تھی ویسی ہی آخر تک رہی۔ اس کی حیثیت میں کوئی فرق نہ آیا۔

Marfat.com

نہ تھی[۵] ۔ الزھــرار کو "فِي الدُّنيا حَسَنَة" کی فہرست میں داخل کرنے کے لئے تیار نہ تھا، اسی لئے وہ ہر موقع پر "وَقِنا عَذَابَ النَّار" کی یاددہانی کرتا ہے ۔ نکتہ یہ ہے کہ وہ "جامع" کے بارے میں کچھ نہیں کہتا، نہ اچھا نہ بُرا، اس کے ذکر سے سکوت اختیار کرتا ہے اور الزھــرار کو، اس کے سونے چاندی کے قبہ کو، اپنے لعن طعن کا نشانہ بناتا ہے ۔ حالانکہ الناصر نے جامع قرطبہ کی تجدید و توسیع کے سلسلہ میں بھی ایک نیا منارہ تعمیر کرایا تھا جسکی چوٹی پر تین "رُمَّانات" (انار) تھے، دو سونے کے اور بیچ میں ایک چاندی کا، ان سے ایسی شعاعیں نکلتی تھیں کہ آنکھیں چندھیا جاتی تھیں ۔ منذر ان سے بھی چشم پوشی کرتا ہے ۔ اس کے علاوہ الناصر نے تو یہ دستور بنا لیا تھا کہ مالگذاری کی آمدنی کو تین حصوں میں بانٹتا تھا، ایک ثلث فوج پر خرچ کرتا تھا، دوسرا ثلث تعمیرات پر اور تیسرا ثلث ذخیرہ احتیاطی کے طور پر محفوظ کر دیتا تھا ۔ اس کو جو عمارتیں بنوانے کی دھن تھی منذر اس پر معترض نہیں ہے، وہ تو اس کی بنوائی ہوئی عمارتوں میں سے الزھــرار کو الگ کر کے صرف اسی پر اعتراض کرتا ہے ۔ کیا یہ بات صاف نہیں ہو جاتی کہ اس کی نظر میں الزھــرار کی تعمیر الناصر کے ذاتی عیش و عشرت کی مد میں تھی، وہ اسے الناصر کے دنیاوی تکبّر و غرور کا مظہر سمجھتا تھا، سوال اسراف کا نہ تھا بلکہ تعمیر کی غرض و غایت کا تھا، الناصر سے بھی منذر کی بات سمجھنے میں کوئی غلطی نہیں ہوئی، وہ خوب سمجھتا تھا کہ منذر کیا کہہ رہا ہے ۔ تب ہی تو وہ منذر کے اعتراض کو "خشوع کے آنسوؤں" سے دھونے کی کوشش کرتا ہے ۔ کیا یہ خشوع اس تکبّر کے مقابلہ میں نہیں جو منذر اس کی طرف منسوب کرتا ہے ۔ منذر کے تازیانے اس کے خشوع میں اضافہ کرتے ہیں لیکن اسے اپنے خلوص پر اتنا اعتماد ہے کہ وہ اپنی دھن سے باز نہیں آتا ۔

شواہد و قرائن یہ بتاتے ہیں کہ فی الواقع الناصر کا خلوص شک و شبہ سے بالاتر ہے ۔ الزھــرار اس کے غرور کا نہیں، محض شوق کا سامان تھا ۔ لیکن اس کا جذبہ سلیم سہی اسکی

---

[۵] بالخصوص منذر تو بڑا ظریف اور بذلہ سنج تھا ۔ ابن عذاری ۲/ ۲۵۰ ؛ نفح الطیب ۱/ ۳۳۱ ۔

Marfat.com

منطق سلیم نہ تھی۔ بہر حال الزھرار کی وابستگی تنہا اس کی ذات سے تھی اور اس لحاظ سے اس کی حیثیت، الناصر کے اپنے دل میں نہ سہی خارجی دنیا میں وہی متعین ہوتی ہے جس پر منذر معترض تھا۔

جامع قرطبہ کی بنا رعبدالرحمن الداخل نے ڈالی، اس کے بعد جامع کی نگہداشت، اصلاح اور توسیع خلفار اندلس کا مقدس فریضہ بن گئی۔ عبدالرحمٰن الداخل سے لے کر عبدالرحمٰن الناصر تک تقریباً سبھی خلفا رنے نیز الناصر کے جانشین الحکم نے انتہائی شوق سے اس کی خدمت کی سعادت حاصل کی۔ یہ دین وعلم کا منارہ حیاتِ ملّی کا سب سے قابلِ قدر ادارہ تھا۔ الناصر نے سارے وسیع وعریض مدینۃ الزھرار پر جتنا خرچ کیا اس کا تقریباً ایک تہائی صرف اس جامع پر خرچ کیا

منذر اس جامع کی شان میں کچھ نہیں کہتا، جامع الزھرار کا نام بھی زبان پر نہیں لاتا حالانکہ وہ خود جامع الزھرار ہی کا امام وخطیب تھا۔ یہ نہیں کہ وہ اس کا قدر دان نہ تھا، لیکن اس نے اپنے لئے مادح کے بجائے ناصح کا کردار اختیار کر رکھا تھا۔

منذر کے برعکس اقبال سطوت دین کے نشان تلاش کرتے ہیں؛ ان کی نظر میں "قوۃ الاسلام" ہے لال قلعہ نہیں "گورستانِ شاہی" ہے "تاج محل" نہیں، اسی طرح "مسجد قرطبہ" ہے " الزھرار" نہیں۔ لال قلعہ، تاج محل اور الزھرار ان سب کی نمود فرد کے ذوقِ جمال، لطفِ عیش اور غمِ مرگ سے ہے۔ یہ امتیاز مسجدِ قرطبہ اور قوۃ الاسلام ہی کو حاصل ہے کہ ان کی رگِ سنگ میں ساری ملّت کا خونِ جگر رواں دواں ہے، انھیں سے مردِ مومن کی خودی کا جلال وجمال آشکارا ہے، گورستان شاہی غمِ فرد کے لئے سامان تسکیں نہیں بلکہ حیات ملّت کے لئے تازیانۂ عمل ہے۔ یہ شاید اقبال کی نواؤں ہی کا اثر تھا کہ مَیں (مؤلف) مصر میں اہرام کے تکبّر اور جبروت سے مرعوب ہونے کے بجائے جامع عمرو بن العاص کی تواضع اور رحموت سے متاثر ہوا۔ مسلمانوں نے اپنی طویل تاریخ میں جو آثار چھوڑے ہیں ان میں اس جامع کی شان بالکل نرالی ہے۔ یہ معجزۂ فن نہیں، اور شاید اسی لئے ہمارے ارباب فن کی توجہ سے محروم ہے، میں اسے بے سروسامانی کا معجزہ کہوں گا، یہ سنگ وخشت

Marfat.com

میں مومن کے عزم اور توکل علی اللہ کی تفسیر ہے۔ الغرض آثار کی بھی ایک معنوی شخصیت ہوتی ہے اور اسی کے اعتبار سے ان کی قدر و قیمت متعین ہوتی ہے۔ منذر کیلئے الزہرار کی معنوی شخصیت نفرت انگیز تھی اور اقبال کے لیے بھی لائقِ توجہ نہیں۔ اگر ایک طرف اقبال کا ذوق و شوق حیات پرور اور فکر انگیز ہے تو دوسری طرف ان کی خاموشی بھی محض اتفاقی نہیں بلکہ متعمدانہ اور معنی خیز ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ نصیحت کا وقت گذرنے کے بعد اب اگر وہ کچھ کہتے تو ناصح کے بجائے قادح بن کر رہ جاتے۔ جہاں نصیحت سودمند ہے وہاں وہ بھی بے محابا بول اٹھتے ہیں:-

"مری نگاہ کمالِ ہنر کو کیا دیکھے"[1]

الزھراء کی معنوی شخصیت متعین کرنے کے لئے ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ اس کی بنار کے اسباب و محرکات کیا تھے، اور اس کی تعمیر سے مقصود کس کی خوشنودی تھی۔

(۴۸)

محی الدین بن العربی "المسامرات" میں لکھتے ہیں:- مجھے قرطبہ کے ایک شیخ نے مدینۃ الزھرار کی بنار کا سبب یہ بتایا کہ الناصر کی ایک "سُرِّیَّۃ"[2] مرگئی، اس نے بہت سا مال چھوڑا تھا، الناصر نے حکم دیا کہ اس مال سے مسلمان قیدی چھڑائے جائیں، لیکن ڈھونڈنے پر ایک بھی قیدی فرنگیوں (افرنج) کے ملک میں نہ پایا گیا، اس پر الناصر نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس موقع پر اس کی کنیز الزّھراء، جس سے وہ بے انتہا محبت کرتا تھا، بولی:- میری خواہش ہے کہ اس مال سے آپ میرے لئے ایک شہر تعمیر کرائیں جس کا نام میرے نام پر رکھا جائے اور جو میرے ساتھ مخصوص ہو، چنانچہ الناصر نے جبل العروس کے دامن میں جبل سے قبلہ کی سمت اور قرطبہ سے شمال کی سمت اس شہر کی بنار ڈالی۔ آج اس کے اور قرطبہ کے درمیان کم و بیش تین میل کا فاصلہ ہے۔ اس کی تعمیر میں الناصر نے کمالِ صناعی اور پائداری کا اہتمام کیا، اور تفریح گاہ بنادیا، اس میں الزھرار اور اربابِ دولت کے حاشیہ برداروں کی رہائش تھی۔ شہر کے دروازہ پر الناصر نے الزھرار کی تصویر بھی نقش کرائی تھی۔ چنانچہ

[1] ضربِ کلیم: "پیرس کی مسجد" [2] داشتہ کنیز۔

جب الزہرا نے وہاں اپنی نشست جمائی تو اس نے دیکھا کہ شہر کا حسن اور سپیدی اس سیاہ پہاڑ کی گود میں پڑی ہے۔ اس نے کہا: میرے آقا! آپ دیکھتے ہیں کہ اس حسین دوشیزہ کا حسن اُس زنگی کی گود میں پڑا ہوا ہے؟ الناصر نے حکم دے دیا کہ اس پہاڑ کو ہٹا دیا جائے۔ ایک مصاحب نے عرض کیا: خدا نہ کرے کہ امیر المومنین کو کوئی ایسا خیال آئے جس کے سننے سے عقل کو بٹہ لگے، اگر ساری مخلوق بھی جمع ہو جائے تو اس پہاڑ کو کھود کر یا کاٹ کر کسی طرح بھی نہیں ہٹا سکتی، اس کو تو اس کے خالق کے سوا اور کوئی نہیں ہٹا سکتا۔ تب الناصر نے حکم دیا کہ اس کے درخت کاٹ ڈالے جائیں اور ان کی جگہ انجیر اور بادام کے پودے لگائے جائیں۔ چنانچہ اس سے زیادہ خوبصورت اور کوئی منظر نہ تھا بالخصوص پھولوں کے اور درختوں میں بُور آنے کے موسم میں۔ پہاڑ اور میدان کے درمیان درخت ہی درخت تھے۔

(قدرے اختصار کے ساتھ اقتباس ختم)

اسلام کی رو سے عورت کوئی ناگزیر شر نہیں، نہ ہی اس سے گریز کسی درجہ میں بھی مستحسن ہے۔ اس کے برخلاف عورت رسول اللہؐ کی تین محبوب ترین چیزوں میں ہے۔ عورت کی ناز برداری بھی باعث اجر و ثواب ہے، اس کے "خالِ ہندو" پر "سمرقند و بخارا" بخشے جاسکتے ہیں، یہ بخشش "برات بر شاخ آہو" کے طور پر ہو تو قدر دانی حسن اور جذبۂ محبت میں ہر مونس کا دھڑکتا ہوا دل شریک ہوگا، لیکن جہاں جذبۂ محبت مدینۃ الزہراء کی خارجی و محسوس شکل اختیار کرے تو پھر یہ دو افراد کے مابین ایک ذاتی معاملہ بن جاتا ہے اور واقع میں جو معاملہ ہو اسے یقیناً معاملات کی شرعی، قانونی اور اخلاقی حدود کے اندر رہنا چاہیئے۔ نصیحت کا تقاضا یہی تھا کہ منذر اپنے امیر سے بھی ان حدود کی پاسداری کا مطالبہ کرے۔ اعلیٰ قدریں شاہی اور فقیری کے ٹکراؤ ہی سے ابھرتی ہیں۔ یہ بات واضح ہوگئی کہ الزہرا کی تعمیر سے الزہرا کی خوشنودی ملت کا مقصود نہ تھی۔ بقا اور دوام اللہ کی خوشنودی ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

(۴۹)

قصہ مشہور ہے کہ جب الناصر نے اپنے بیٹے ابو مروان عبید اللہ کی اولاد کے ختنہ

Marfat.com

کی رسم ادا کی تو اس مناسبت سے قصر زھــرا رمیں بڑی دعوت کا اہتمام کیا، ارباب حکومت میں کوئی ایسا نہ تھا جو اس دعوت میں حاضر نہ ہو، الناصر کا حکم تھا کہ اہل مشورہ فقہار کو اور ان سے نیچے درجہ کے علمار اور نیک سیرت اصحاب اور سربرآوردہ لوگوں کو شرکت کے لئے طلب کیا جائے، ان میں سے صاحب مشورہ ابوابراہیم حاضر نہ ہوئے۔ چونکہ ان کا مرتبہ بڑا تھا اس لئے ان کی خالی جگہ پر نظر گئی، خلیفہ الناصر نے اس کی بابت سوال کیا، اس لئے کہ ابوابراہیم مذہب مالکی کے ان بڑے علمار میں سے تھے جن پر سارا دارو مدار تھا، اس کی وجہ سے الناصر دل ہی دل میں ابوابراہیم سے ناخوش بھی ہوا، اس نے اپنے بیٹے ولی عہد الحکم کو حکم دیا کہ ابوابراہیم کو خط لکھیں کہ انھوں نے بُرا کیا، چنانچہ الحکم نے انھیں رقعہ لکھا۔

......ابوابراہیم نے انھیں جواب میں لکھا:۔ میرے آقا، امیر کو سلام اور اللہ کی رحمت! مَیں نے ۔ اللہ میرے آقا، امیر کو سلامت رکھے ۔خط پڑھا اور سمجھا، میری غیر حاضری میرے اپنے نفس کی خاطر نہ تھی، بلکہ اس سے تمامتر میرے آقا امیر المومنین ۔ اللہ ان کی حکومت باقی رکھے ــ کی خاطر ملحوظ تھی، میں جانتا ہوں کہ ان کا مسلک کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ متقی ہیں اور اپنے نیک اسلاف ــ رضوان اللہ علیہم ــ کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں، جو اس طبقہ کے کچھ لوگوں کو اپنی حفاظت میں رکھتے تھے، اور کسی ایسی بات پر انھیں مجبور نہیں کرتے تھے جو ان کے لئے معیوب ہو یا ان کا رتبہ گرانے اور شان گھٹانے کی موجب ہو، وہ اس طبقہ کو اپنے لئے دین کا سامان سمجھتے تھے اور رعایا کے سامنے اور ان زائرین کے سامنے جو ان کے پاس آتے تھے بطور زینت پیش کرتے تھے۔ یہی سبب تھا جو میں غیر حاضر رہا اور ان کے مسلک کا مجھے جو علم تھا اسی کی وجہ سے مَیں باز رہا، انشاراللہ تعالیٰ ــ

جب الحکم نے اپنے باپ الناصر لدین اللہ کو ابوابراہیم اسحاق کا جواب سُنایا تو وہ بہت متاثر ہوئے اور ابوابراہیم کی معذرت انھیں پسند آئی اور ان کے دل میں جو ناراضگی تھی وہ جاتی رہی۔

(۵۰)

فقیہ ابوالقاسم بن مفرج کا بیان ہے، کہتے ہیں، میں فقیہ ابوابراہیم۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

Marfat.com

کے پاس آیا جایا کرتا تھا جیسے کہ اور بہتیرے ان کے پاس فقہ اور روایت حاصل کرنے آتے رہتے تھے۔ ایک روز میں ان کی مجلس میں بیٹھا تھا، اس مسجد میں جو ابو عثمان کی مسجد کہلاتی ہے اور جس میں وہ اپنے گھر کے پاس ہی نماز ادا کیا کرتے تھے۔ ان کی مجلس میں طلبہ بھرے تھے، اتنے میں ایک خواجہ سرا داخل ہوا جو پیامی تھا اور خلیفہ الحکم کے پاس سے آیا تھا، وہ سامنے پہنچکر رُکا اور سلام کرکے بولا:۔ جناب فقیہ! امیر المومنین کو ـــ خدا انھیں سلامت رکھے۔ لبیک کہیے، آپ کی بابت حکم صادر ہوا ہے اور وہ بیٹھے آپ کا انتظار کر رہے ہیں، مجھے حکم ہے کہ میں آپ کو جلد لے کر جاؤں، خدا کے واسطے، خدا کے واسطے (جلدی کیجیے)!
ابو ابراہیم نے اس سے کہا:۔ امیر المومنین کا حکم سر آنکھوں پر، ہاں! جلدی کوئی نہیں، تم واپس جاؤ اور انھیں ـــ اللہ انھیں توفیق دے۔ بتاؤ کہ تم نے دیکھا کہ میں اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے ایک گھر میں بیٹھا ہوں، میرے پاس طالب علم ہیں، میں انھیں امیر المومنین کے ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنا رہا ہوں اور وہ میری سند کے ساتھ اسے لکھ رہے ہیں، میرے لئے ناممکن ہے کہ میں اس کام کو جو میں اسوقت کر رہا ہوں، چھوڑ دوں تا آنکہ یہ مجلس جو اللہ کی طاعت اور خوشنودی کی خاطر ان طلبہ کے لئے منعقد کی گئی ہے انجام کو پہنچے، یہ کام میرے لئے زیادہ ضروری ہے بہ نسبت اس کے کہ میں ابھی امیر المومنین کے پاس چلا جاؤں، یہ اللہ کی ذات کے لئے تکلیفیں اٹھانے والے اور اس کی خوشنودی کے لئے تگ و دو کرنے والے جو میرے پاس جمع ہیں، جب ان کا کام ختم ہو لے گا تو میں امیر المومنین سے ملنے جاؤنگا، انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہ کہہ کر وہ پھر اپنے کام میں لگ گئے، خواجہ سرا انکے انکار سے دل تنگ ہو کر کچھ دبی زبان بڑ بڑاتا ہوا چلا گیا۔ اتنی ہی دیر لگی ہوگی کہ اس نے جا کر جواب پہنچایا اور پھر تیزی سے واپس لوٹا، اس کا طیش ٹھنڈا پڑ چکا تھا، ابو ابراہیم سے بولا: جناب فقیہ! میں نے آپ کا جواب جوں کا توں امیر المومنین کو۔ خدا انھیں سلامت رکھے۔ پہنچایا، اسے سنکر انھوں نے آپ سے فرمایا ہے کہ خدا آپ کو دین کی طرف سے اور امیر المومنین اور جماعت مسلمین کی طرف سے نیک صلہ دے اور سب کو آپ سے فیضیاب کرے جب آپ اپنا کام ختم کرلیں تب نیکی کے راستے پر چلتے ہوئے انکے پاس جائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ابوعمر احمد بن فرج، مصنف "کتاب الحدائق" لکھتے ہیں: ابوبکر اسماعیل بن بدر نے مجھ سے بیان کیا کہ انھوں نے امیر المومنین الناصر لدین اللہ عبدالرحمٰن بن محمد، رحمہ اللہ، کو مخاطب کیا، جبکہ ایک غزوہ میں انھوں نے قسم کھائی کہ وہ جب تک ایک قلعہ فتح نہ کرلیں گے کسی کے ساتھ بیٹھ کر خوشی نہ منائیں گے، اس کے بعد وہ یکے بعد دیگرے کئی قلعے فتح کرتے چلے گئے لیکن بزم آرائی سے جو اجتناب کا عزم تھا وہ برقرار رہا۔ اس پر اسماعیل بن بدر کا کہنا ہے کہ انھوں نے الناصر کو یہ بیت لکھ کر بھیجے:۔

"میرے نزدیک تو شراب کی تیزی حلال طیب ہو گئی ہے جب سے کہ آپ نے دو قلعے فتح کیے ہیں۔
قریب ہے کہ اب ہر غم دور ہو جائے
اور قرض خواہوں کا قرض چکا دیا جائے۔"

وہ کہتے ہیں کہ الناصر نے انھیں یہ شعر جواب میں لکھے:۔

"کیسے اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ شخص جو اس سوزشِ غم میں مبتلا ہو جس میں ہیں مبتلا ہوں
وہ تھوڑی دیر بھی آرام کرنے کی اُمید کرے
یا شراب کا 'مزاج' سے (پانی ملا کر) توڑ کرے؟
جو غم کہ مجھے ہے اگر اس کا کچھ حصہ ایک چٹان کے اوپر ڈالا جائے
تو وہ شیشہ کی مانند نازک بن جائے گی۔
گلاب کا پھول میرا غم ابھارتا ہے۔
اور سوسن میرے اندر ہیجان بپا کرتا ہے۔
میری راتیں جو پہلے بہت اچھی تھیں اب میں دیکھتا ہوں
کہ بے حسن چہروں سے بھی زیادہ بُری ہو گئی ہیں۔
تم جو کچھ چاہتے ہو اس کی کوئی امید نہ رکھو
تاآنکہ غم کے دُور ہونے کا اعلان ہو۔"

352 کتاب

الحکم المستنصر باللہ

الحکم المستنصر باللہ نے اپنی خلافت کا آغاز جامع قرطبہ کی توسیع کے منصوبہ سے کیا۔ شہر قرطبہ کی آبادی بڑھ گئی تھی اور جامع سب کے لیے چھوٹی پڑتی تھی، ازدحام کے باعث لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ چنانچہ المستنصر باللہ نے حکم دیا کہ جامع میں توسیع اور اضافہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں قاضی منذر بن سعید اپنے ساتھ صاحب الاَحْباس (مدیر اوقاف) اور فقہا کو لے کر جامع مسجد پہنچے اور انھوں نے جامع کی توسیع کا منصوبہ بنانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس منصوبہ کی دو خصوصیتیں قابلِ لحاظ ہیں:۔ ایک پچّی کاری (فسیفسا ر) دوسرے نلوں کے ذریعہ آب رسانی کا انتظام۔

(۵۱)

۳۵۴ھ میں مسجد جامع میں فسیفسا راتارنے کی ابتدا کی گئی، فسیفسا ر شاہِ روم نے خلیفہ الحکَم کو بھیجا تھا، الحکَم نے اس کی بابت اس کو لکھا تھا اور ہدایت کی تھی کہ اس کا کاریگر بھی بھیجا جائے، مسجد دمشق کی تعمیر کے سلسلہ میں جو الولید بن عبدالملک نے کیا تھا اسی کی اقتدا الحکَم نے کی۔ چنانچہ الحکم کا وفد کاریگر کو ساتھ لئے ہوئے لوٹا۔ ۳۲۰ قنطار فسیفسار بھی ساتھ ہی ساتھ آیا جو شاہ روم نے بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ الحکَم نے بھی ہدایت کی کہ کاریگر کو آرام سے رکھا جائے اور اس پر فراخی سے خرچ کیا جائے، اپنے چند غلام بھی اس کے ساتھ لگادئے کہ وہ کاریگری سیکھیں، انھوں نے بھی کاریگر کے ساتھ درآمد کئے ہوئے فسیفسار میں ہاتھ بٹایا اور مل کر کام کیا تاآنکہ خوب کمال دکھایا اور کاریگر پر فوقیت لے گئے۔ پھر وہ باہر سے آئے ہوئے کاریگر کے بغیر ہی کام کرتے رہے۔ جب اس کی ضرورت نہ رہی تو وہ واپس لوٹ گیا۔ اس سے قبل المستنصر نے اسے گرانقدر صلہ اور خلعت سے نوازا۔ اس کے علاوہ دنیا میں دور دور جو ماہر کاریگر تھے وہ اس عمارت کی خاطر کھنچے چلے آئے۔

Marfat.com

(۵۲)

۳۵۶ھ میں المستنصر نے جامع کے سقایات میں اور شرقی و غربی دونوں جانب جو دو وضو خانے (میضاۃ) تھے ان میں شیریں پانی جاری کیا، یہ پانی جبل قرطبہ کے ایک چشمہ سے لایا گیا، اس کے لئے زمین اندر ہی اندر کھدوائی اور اعلیٰ ہندسہ (انجینئرنگ) کی رو سے مضبوط پتھر کی نہر میں پانی رواں کیا، نہر کے پیٹے میں سیسہ کے نل ڈالے تاکہ پانی ہر قسم کی گندگی سے محفوظ رہے۔ پانی جاری ہونے کی ابتدا اس سال ۱۰ صفر کو جمعہ کے دن ہوئی۔ قرطبہ میں پانی جاری ہونے پر محمد بن شخیص نے ایک قصیدہ کہا ہے، یہ شعر اسی قصیدہ کے ہیں :۔

"تو نے زمین کا پیٹ چیر کر صاف شیریں ترین پانی نکالا اور بیت اللہ کیطرف رواں کیا۔

(یہ پانی) جسموں کی طہارت ہے جبکہ ان کی طہارت زائل ہو چکی ہو

اور دلوں کی سیرابی ہے جبکہ وہ پیاس کی گرمی سے جل رہے ہوں۔

تو نے فخر کے ساتھ اجر کو جمع کر دیا ہے، اور جس امت کا تو نگہبان اور محافظ ہے اس میں بہت کم ان دونوں کا اجتماع ہوا ہے۔

جامع کی غربی جانب المستنصر نے "دارالصدقہ" تعمیر کیا، اسے انھوں نے اپنے صدقات کی تقسیم کا ادارہ بنایا (خدا ان پر رحم کرے)۔ ان کے پسندیدہ افعال اور نیک اعمال میں ایک یہ بھی ہے کہ انھوں نے مؤدب مقرر کئے تاکہ وہ جامع مسجد کے ارد گرد اور قرطبہ کی مضافاتی بستیوں میں سے ہر بستی میں غریبوں اور مسکینوں کے بچوں کو قرآن کی تعلیم دیں۔ ان مؤدبین کے لئے انھوں نے تنخواہیں مقرر کیں اور ان کو حکم دیا کہ وہ نیک نیتی کے ساتھ اور اللہ العظیم کی خوشنودی کی خاطر اپنے کام میں سرگرمی دکھائیں۔ تعداد میں یہ مکاتب ۲۷ تھے، تین جامع مسجد کے ارد گرد اور باقی شہر کی مضافاتی بستیوں میں سے ہر بستی میں ایک۔ اسی کی بابت ابن شخیص کا قول ہے،۔

مسجد اعلیٰ کا صحن تاج پہنے ہوئے ہے

یتیموں کے مکاتب کا جو اس کے ارد گرد ہیں۔

Marfat.com

اگر قرآن کی سورتیں الفاظ ادا کرنے کی طاقت رکھتیں
تو وہ تجھے پکار اٹھتیں کہ: اے ہمارے سب سے اچھے تلاوت کرنے والے اور
حفظ کرنے والے!

(۵۳)

المستنصر باللہ علم دوست تھا، اہلِ علم کو عزیز رکھتا تھا، ہر نوع کی کتابیں جمع کیا کرتا تھا، ایسی کہ اس سے پہلے کسی بادشاہ نے جمع نہیں کیں۔ ابو محمد بن حزم کہتے ہیں :- خواجہ سرا تلید نے، جو قصر بنی مروان کے خزانہ علوم و کتب پر مامور تھا، مجھے بتایا کہ ان فہرستوں کی تعداد جن میں کتابوں کے نام درج تھے ۴۴ تھی، ہر فہرست ۲۰ ورق کی تھی، درانحالیکہ اس میں دواوین کے ناموں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ المستنصر نے علم اور علماء کا ایسا بازار گرم کیا تھا کہ ہر ملک کی پونجی کھنچ کر وہیں آگئی تھی۔

(۵۴)

ابو محمد بن خلدون کہتے ہیں :- جب ان (المستنصر) کے باپ کے پاس ابو علی القالی، مصنف کتاب الامالی، بغداد سے آئے تو انھوں نے ان کو عزت کے ساتھ رکھا اور انکے یہاں ان کی خوب قدر ہوئی، یہ اہلِ اندلس کو اپنا علم دیتے رہے اور الحکم المستنصر کے وابستگان خاص میں سے ہوگئے جنھوں نے ان کے علم سے استفادہ کیا۔ وہ (المستنصر) تاجروں کو مختلف ملکوں میں کتابیں خریدنے کے لئے بھیجا کرتے تھے اور ان کو کتابیں خریدنے کے لئے مال بھی پہنچایا کرتے تھے، چنانچہ اندلس میں اتنی کتابیں درآمد ہوئیں کہ اس سے پہلے لوگوں نے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ کتاب الاغانی کی بابت انھوں نے اس کے مصنف ابو الفرج الاصبہانی کو لکھا، جن کا نسب بنو امیہ سے ملتا تھا، اور ان کو اس کتاب کے لئے ایک ہزار دینار زر نقد بھیجے، چنانچہ انھوں نے کتاب کو عراق میں شائع کرنے سے پہلے ہی اس کا ایک نسخہ المستنصر کی خدمت میں بھیجا۔ بالکل ایسا ہی المستنصر نے قاضی ابوبکر الابہری المالکی کے ساتھ ان کی شرح مختصر ابن عبدالحکم کے بارے میں کیا، اور بھی ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ نیز انھوں نے اپنے محل میں صنعت نسخ کے کہنہ مشق اور تحریر کے اور اچھی جلد

Marfat.com

سازی کے ماہر جمع کر کے بھر رکھے تھے، چنانچہ اندلس میں کتابوں کے ایسے خزانے اکٹھے ہوئے کہ نہ تو ان سے پہلے نہ ان کے بعد کسی کے پاس ایسے خزانے تھے۔ بجز اسکے کہ جو الناصر العباسی بن المستضیٔ کی بابت مذکور ہے۔ یہ کتابیں بدستور قصرِ قرطبہ میں رہیں تاآنکہ ان میں سے بہت سی کتابیں بربر کے محاصرہ میں بیچ ڈالی گئیں، ان کے نکالنے اور بیچنے کا حکم حاجب واضح نے دیا تھا جو المنصور بن ابی عامر کے موالی میں سے تھا، باقی جو بچیں وہ اس وقت لوٹ گئیں جب بربر قرطبہ میں داخل ہوئے اور زبردستی گھس پڑے۔

(۵۵)

ایک مورخ الحکم کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ نیک سیرت تھے، جو ان کے پاس جائے اس کی عزت کرتے تھے، انھوں نے اتنی کتابیں جمع کیں کہ کوئی حد نہیں، ان کی کثرت اور نفاست بیان سے باہر ہے، کہا جاتا ہے کہ چار لاکھ مجلدات تھیں، جب ان کو منتقل کیا گیا تو چھ مہینے تک لوگ ان کی منتقلی میں لگے رہے۔ وہ بڑے عقلمند اور پاک طینت تھے، انھوں نے قاسم بن اَصبَغ، احمد بن رحیم محمد بن عبدالسلام الخشنی اور زکریا بن خطاب سے حدیث سُنی، بیشتر ان (زکریا) سے روایت کرتے ہیں۔ ثابت بن قاسم نے انھیں روایت حدیث کا اجازہ دیا۔ ان کے علاوہ اور بہتوں سے انھوں نے حدیثیں لکھیں۔ مختلف ملکوں اور دور دراز کے علاقوں سے کتابیں منگایا کرتے تھے، جتنی بھی گنجائش ہو وہ کتابوں پر اپنا مال خرچ کر ڈالتے تھے یہاں تک کہ ان کے خزانے بھی کم پڑنے لگے۔ انھیں کتابوں سے عشق تھا، وہ تمام شاہانہ لذتوں پر اپنے اس شوق کو ترجیح دیتے تھے، ان کا علم وسیع، نظر دقیق اور استفادہ بے کراں تھا، رجال، اخبار، انساب کے علم میں وہ عبقری اور اپنے طرز کے ایک اکیلے تھے، وہ جو کچھ نقل کرتے ہیں اس میں قابلِ اعتماد ہیں ...... کم ہی ایسا ملے گا کہ ان کے خزانہ کی کوئی کتاب ہو اور اس میں ان کی خواندگی کی علامات اور ملاحظات نہ ہوں خواہ وہ کتاب کسی فن کی ہو، کتاب میں وہ مولّف کا نسب، اس کی ولادت اور وفات بھی لکھ دیتے تھے اور اس کے بعد وہ نوادر ہوتے تھے جو ان کے علاوہ اور کسی کے پاس ملنے کی توقع نہیں، اس لئے کہ وہ ان باتوں پر غیر معمولی توجہ دیتے تھے۔

Marfat.com

الغرض الحکم المستنصر کا اقلیم علم میں بھی ویسا ہی سکہ چلتا تھا جیسا کہ سیاست کی دنیا میں۔ نہ صرف دنیاوی امور میں ان کا قول فیصل تھا بلکہ دین میں بھی ان کا مرتبہ کسی بڑے سے بڑے عالم سے کم نہ تھا۔ انھوں نے اپنے وقت کے جیّد علماء سے باقاعدہ اجازہ اور سند حاصل کی تھی۔ علم پرور خلفاء تو بہت سے ہوئے ہیں لیکن ایک عالم خلیفہ کی جو مثال الحکم المستنصر نے پیش کی وہ تاریخ میں کم ہی ملے گی۔

المنصور بن ابی عامر

الحکَم المستنصر کے زرین عہد کے خاتمہ پر ایک ایسی دیوقامت شخصیت قصرِ خلافت سے ابھری جس نے خلافت کے نام کو چار چاند لگائے لیکن اس کے ساتھ ہی خلافت کو غصب بھی کر لیا۔ یہ شخصیت المنصور بن ابی عامر کی تھی جس نے ایک طرف اپنی بے پناہ صلاحیتوں اور عملی کارناموں سے وقتی طور پر خلافت کو ہَوّا بنا دیا اور دوسری طرف اپنی ہوسِ جاہ سے اس کے جسم کو بے جان کر دیا۔ ابن ابی عامر کو الحکَم نے اپنے کم سن بیٹے ہشام کا نگراں مقرر کیا تھا اس نے اپنے حسنِ خدمت اور تحفہ تحائف سے ہشام کی والدہ سیّدہ صُبح البَشکُنیشِیَّہ[۱] کو شیشہ میں اُتار لیا۔ یہ چیز الحکَم کو بھی کھٹکی۔ ایک مرتبہ اس نے کہا: نہ معلوم کیا بات ہے کہ دُنیا کی دولت ہوتے ہوئے بھی بیگمات جب بات کرتی ہیں تو ابن ابی عامر کے تحفوں کی، انھیں ابن ابی عامر کے علاوہ کسی کی لائی ہوئی چیز پسند نہیں آتی[۲]......"
غرض سیّدہ صُبح کی مہربانیاں اس بات کی کفیل تھیں کہ اگر ہشام تخت نشین ہوا تو نام تو ہشام کا ہوگا اور حکومت ابن ابی عامر کی ہوگی۔ جب الحکَم کا انتقال ہوا تو ہشام کی عمر گیارہ سال آٹھ ماہ تھی۔ قصر کے صقالبہ کی رائے یہ تھی کہ الحکَم کے بھائی المغیرۃ بن الناصر تخت پر بیٹھیں اور ہشام چونکہ نابالغ ہیں اس لئے ولی عہد رہیں، المغیرہ کے بعد جب حکومت سنبھالنے کے قابل ہو جائیں تب خلیفہ بنیں۔ ابن ابی عامر نے قصر کے حاجب جعفر بن عثمان المُصحَفی[۳] کے ساتھ مل کر المغیرہ کو قتل کرا دیا۔ ہشام خلیفہ ہوا تو یہی دونوں۔ ابن ابی عامر اور المصحفی ــ

---

[۱] بَشکنس = Basque-

[۲] ابن عذاری ۲/۲۵۳۔

حکومت کے کرتا دھرتا بن گئے۔ صقالبہ خلافت کے معاملات میں ہمیشہ سے اثر و نفوذ رکھتے تھے اور الحکم کے زمانہ میں تو ان کا اثر و نفوذ انتہائی حد کو پہنچ گیا تھا، ظاہر ہے کہ جو حالات پیش آئے ان سے وہ برہم تھے۔ المصحفی کو ان پر اعتماد نہ تھا اس لئے اس نے ایسی تدبیر کی کہ صقالبہ کا زور ٹوٹ گیا اور ان کے سرغنہ قصر سے نکل گئے۔ اس دوران ابن ابی عامر، المصحفی سے ملا رہا لیکن جب اس کے ذریعہ صقالبہ راستہ سے ہٹ گئے تو اس نے المصحفی کی بھی جڑ کاٹ دی۔ سیاست میں دوسرا بااثر عنصر بربریوں کا تھا۔ ابن ابی عامر نے عربوں کو آلۂ کار بنا کر ان کا زور بھی ختم کر دیا۔ جب سارے قدیم عناصر ایک دوسرے سے ٹکرا کر ناکارہ ہو گئے تو ابن ابی عامر نے مقابل ساحل سے نئے بربری بلائے اور ان سے ایسی فوج ترتیب دی جس کی وفاداری تمام تر اسکی ذات کے ساتھ تھی۔ اس کے بعد ابن ابی عامر کا کوئی حریف نہ تھا، اس نے ہشام کو تو کونے میں بٹھا دیا اور حکومت خود سنبھال لی[۱]۔

(۵۶)

حیّان بن خلف کہتے ہیں:۔ میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ جب محمد بن ابی عامر نے ہشام کو پردہ میں بٹھا کر سب لوگوں سے اس کا تعلق منقطع کر دیا اور اس سے پوچھے بغیر سارے کام خود اپنی مرضی سے کرنے لگا تو ان کی بابت قرطبہ میں بہت سی ہجو آمیز باتیں پھیل گئیں اور لوگ آپس میں مخش ابیات ایک دوسرے کو سنانے لگے، اسی قبیل سے یہ بیت ہیں جو خلیفہ ہشام کی زبان سے شکوہ کے پیرایہ میں کہے گئے:۔

"کیا یہ عجیب بات نہیں کہ مجھ جیسا آدمی
اپنے کو اس حال میں پاتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی اس کیلئے ممنوع ہیں۔
اس کے نام سے تو ساری دنیا پر حکومت ہو رہی ہے
لیکن خود اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے۔

(۵۷)

باوجود اس کے (کہ ابن ابی عامر سارے کام خود اپنی مرضی سے کرتا تھا) اس نے "حاجب"

---

[۱] نفح الطیب ۱/ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔

Marfat.com

کا لقب نہیں چھوڑا، اور خلیفہ کی اطاعت اور فرمانبرداری بھی نہیں چھوڑی۔ یہ سب ظاہر میں تھا، باطن اس کے خلاف تھا، نام کو جو کچھ تھا حکومت کے واقعات اور اوضاع اس کے برعکس تھے، ابن ابی عامر نے بربر کو سمندر پار سے لا کر اندلس کے قبائل کو نیچا دکھایا، اور اُن بربریوں کے ذریعہ ان بڑے بڑے سرداروں کا نام مٹا دیا، ان کو ان کے دشمنوں سے شکست دلائی اور ان دشمنوں کی تعداد میں اضافہ کرتا رہا، تاآنکہ وہ جمہور پر غالب آ گئے اور ان کا نکلنا دشوار کر دیا اور ان کے خلاف وہ مشہور فساد برپا کیا، جس کے نتیجہ میں اندلس کا بڑا حصہ ویران بیابان بن گیا، اور اس میں وحشی جانوروں اور بھیڑیوں کا ازدحام ہو گیا، اور مدت تک ملک امن سے محروم رہا۔ اس صورت حال سے ابن ابی عامر اور اس کے بیٹے المظفر پر اندلس کی خوش حالی ختم ہو گئی اور سرور اور اُنس کی انتہا ہو گئی۔ اندلس میں ابن ابی عامر کے غزوات کے نشانات دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں اور جوہر دار تلوار کی طرح درخشاں ہیں۔ ان کے حسب میں ساری خوبیاں ہیں اور نسب قبیلہ معافر ہے۔ اسی پر فخر کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:-

"میں نے اپنے آپ کو ہر بڑی جنگ کے خطرہ میں ڈال دیا
اور بازی لگا دی۔ اور نیک خصلت شریف لوگ بازی لگایا ہی کرتے ہیں۔
میرا ساتھ دینے والا کوئی نہیں بجز میرے مضبوط دل کے
اور خطی نیزے اور بُرّاں شمشیر کے۔
مَیں لشکر کشی کرتا ہوں لڑائی میں
جبکہ شیروں کی ببر شیروں سے مڈبھیڑ ہوتی ہے۔
مَیں نے تن تنہا ہر سرداری سے بڑھ کر سرداری حاصل کی
اور کثرت میں مقابلہ کیا یہاں تک کوئی ایسا نہ رہا جس سے میں کثرت میں
میں مقابلہ کروں۔
مَیں نے کوئی نئی عمارت نہیں کھڑی کی ہے، صرف اضافہ کیا ہے
اس عمارت میں جو عبدالملیک اور عامر نے بنائی تھی۔
ہم نے نیزوں سے تازہ کارنامے سربلند کئے ہیں

Marfat.com

اور زمانہ قدیم کے کارنامے مُعافر نے ہمیں ورثہ میں چھوڑے ہیں ۔"

مؤرخین کا کہنا ہے کہ ابن ابی عامر نے اپنے پچیس سالہ دورِ تسلط و اقتدار میں ۵۷ لڑائیاں لڑیں اور ہر ایک میں اسے نمایاں کامیابی ہوئی۔ اس نے جو بھی قدم اُٹھایا وہ سیدھا پڑا اور جو بھی آرزو کی وہ پوری ہوئی۔ ایسی اقبال مندی کی مثالیں تاریخ میں کم ہی ہیں۔ ان لڑائیوں میں "غزوۃ شَنت یاقوب" قابلِ ذکر ہے۔

(۵۸)

جب المنصور بن ابی عامر کا اقتدار انتہا کو پہنچ گیا اور تمام باغی بادشاہوں پر (خدا انھیں نیست و نابود کرے) اس نے فتح حاصل کر لی، تو وہ شہر "شَنت یاقوب[۱]" کی طرف بڑھا جو غلیسیۃ[۲] کے آخری کنارے پر ہے، اندلس اور اس سے متصل براعظم میں یہ نصاریٰ کی سب سے بڑی زیارت گاہ تھی۔ یہاں جو کنیسہ تھا اس کی حیثیت ان کے نزدیک وہی تھی جو ہمارے نزدیک کعبہ کی ہے۔ اسی کی وہ قسم کھاتے تھے، ملک روم سے بلکہ اس سے بھی دور کے ممالک سے اس کا حج کرنے آتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہاں جو قبر زیارت گاہ ہے وہ یاقوب کی ہے جو بارہ حواریوں میں تھے (خدا ان پر رحم کرے)، عیسیٰ (علیہ السلام) سے انھیں خصوصی تعلق تھا، چونکہ وہ ہمیشہ عیسیٰؑ کے ساتھ رہتے تھے اسلئے انھیں یہ لوگ اُن کا بھائی کہتے ہیں۔ ان میں کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ یوسف النجار کے بیٹے تھے۔ شَنت یاقوب کے معنی ہیں مدفن یاقوب، یہ لوگ یاقوب کو "اخو الربّ" (خدا کا بھائی) کہتے ہیں (خدا ان لوگوں کی باتوں سے بہت برتر ہے)۔ یاقوب ان کی زبان میں یعقوب کے مماثل ہے۔ وہ بیت المقدس میں پادری تھا، لوگوں کو دعوت دیتے ہوئے وہ ملک ملک قیام کرتا پھرا، اسی طرح اندلس کی حد میں داخل ہوا اور اس دور دراز مقام پر پہنچا، پھر ملک شام واپس گیا اور وہاں اسے مار ڈالا گیا شمسی حساب سے اس کی عمر ۱۲۰ سال ہوئی، اس کے ساتھی اس کی

---

[۱] Santiago

[۲] غلیسیۃ = جلیقیۃ (Galicia)

Marfat.com

ہڈیاں اٹھالائے اور انھیں اس کنیسہ میں دفن کر دیا جہاں اس کا سب سے دُور کا نشان قدم ہے۔ شاہان اسلام میں سے کسی نے اس کا قصد نہیں کیا اور نہ کوئی یہاں تک پہنچا اس لئے کہ یہاں تک پہنچنے کا راستہ بہت دشوار گذار ہے، جگہ خاصی ناہموار ہے، اور مسافت بہت لمبی ہے۔

(۵۹)

المنصور کے ان اخبار میں سے جو نیکی اور تقرب الی اللہ کے باب میں داخل ہیں ایک یہ ہے کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے ایک مُصحَف لکھا تھا جسے وہ ہر سفر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے اور اس کا مطالعہ کرتے اور اس سے برکت حاصل کرتے تھے۔ وہ اس قدر پُرامید تھے کہ غزوہ اور جہاد کے مواقع پر جو گرد و غبار ان کے چہرہ پر جم جاتا تھا اسے جمع کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔ ہر منزل پر خدام رومالوں میں وہ غبار اتار کر رکھ لیتے تھے تا آنکہ اس غبار کی ایک خاصی بڑی تھیلی بن گئی تھی۔ ان کی ہدایت تھی کہ جب وہ مریں تو یہ تھیلی ان کے حنوط (سامان تجہیز) میں شامل کی جائے، وہ جہاں بھی جاتے تھے موت واقع ہونے کے اندیشہ سے اپنا کفن مع اس تھیلی کے اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنا کفن اس پاک کمائی سے تیار کیا تھا جو باپ سے وراثۃً ملی ہوئی زمین اور بیٹیوں کے سُوت کاتنے سے حاصل ہوئی تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ انھیں جہاد کے راستہ میں موت نصیب ہو، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۶۰)

انھوں (المنصور) نے جو پچاس سے اوپر لڑائیاں لڑیں ان میں سے ہر لڑائی میں کوئی نہ کوئی ایسا کارنامہ انجام پایا جو اسلام کے لئے قابلِ فخر ہے۔ انھیں میں سے ایک یہ ہے کہ رومیوں کے ایک شہر کے قریب کوئی سپاہی پہاڑ پر جھنڈا گڑا ہوا چھوڑ کر بھول آیا، کئی دن تک وہ جھنڈا ویسا ہی گڑا رہا اور رومیوں کو پتہ نہ چلا کہ جھنڈا کے اُس طرف کیا ہوا جبکہ لشکر کوچ کر چکا تھا۔ یہ بلا شبہ ایسی بات ہے کہ اہلِ توحید اس پر اہلِ تثلیث کے مقابلہ میں فخر کر سکتے ہیں، ان کے دلوں میں المنصور کی چھوٹی سی ٹکڑی اور ایک دستہ کا اتنا خوف بیٹھا ہوا تھا، اور ان کے سارے بادشاہوں نے یہ جان لیا تھا کہ وہ اس سے

Marfat.com

لڑنے کی سکت نہیں رکھتے، اسی لیۓ وہ بھاگ کر اپنی جان بچاتے تھے اور محفوظ جگہوں میں قلعہ بند ہو جاتے تھے، وہ بس اتنا ہی کر پاتے تھے کہ دُور سے دیکھتے رہیں اور اندازہ لگاتے رہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔

(۶۱)

المنصور بڑے علم دوست تھے، ادب کو بڑا مرتبہ دیتے تھے۔ جسے ادب سے کچھ نسبت ہو اور اس کے وسیلہ سے ان کے پاس آۓ اس کی اسی حساب سے عزت کرتے تھے جتنا وہ ادب سے بہرہ ور ہو، جتنی اس کی تحصیل ہو اور جتنا اسے ادب میں درک ہو۔ ان کی امارت کے زمانہ میں ابو العلاء صاعد بن الحسن الرَّبَعِی اللُّغَوِی البغدادی ان کے پاس اندلس آۓ۔ چنانچہ انھوں نے ان کے نزدیک بڑا مرتبہ اور خاصی دولت بھی پائی، وہ ان کے پاس سنہ ۳۸۰ھ میں آۓ تھے۔ میرا خیال ہے کہ اصل میں تو وہ موصل کے تھے، بغداد جاکر انھوں نے تعلیم حاصل کی، لغت ادب اور اخبار کے عالم تھے، حاضر جواب تھے، شعر اچھے کہتے تھے، ملنے جلنے میں بہت اچھے تھے، جس کے پاس بیٹھتے تھے اُسے اپنی خوش مذاقی سے لطف اندوز کرتے تھے، المنصور نے انھیں عزت سے رکھا اور ان کے ساتھ حد سے زیادہ بخشش اور احسان کیا......

ابو العلاء نے ان کے لیۓ بہت سی کتابیں تالیف کیں، انھیں میں سے ایک کا نام کتاب الفصوص ہے۔ یہ ابو علی القالی کتاب النّوادر کے طرز پر ہے، اس کتاب کے ساتھ ایک عجیب اتفاق پیش آیا کہ جب یہ مکمل ہوئی تو ابو العلاء نے ایک غلام کے حوالہ کی، وہ آگے آگے کتاب لیۓ چل رہا تھا، جب نہر۔ یعنی نہر قرطبہ پار کرنے لگا تو اس کا پیر پھسلا اور وہ مع کتاب کے نہر میں گر پڑا، ایک شاعر نے۔ ان کا نام ابو عبداللہ محمد بن یحیی ہے ابن العریف کہلاتے تھے۔ اس کی بابت ایک شعر فی البدیہ المنصور کے حضور میں کہا اور وہ یہ ہے:۔

" ڈوب گئی دریا میں کتاب الفصوص
ہر ثقیل چیز اسی طرح تہ میں بیٹھ جاتی ہے۔

المنصور اور جتنے لوگ وہاں موجود تھے سب ہنس پڑے لیکن صاعد پر اس کا کچھ اثر

Marfat.com

نہیں ہوا اور ذرا گھبرائے بغیر فی البدیہہ ابن العریف کے جواب میں بولے :۔

" وہ تو اپنی اصلی جگہ پہنچ گئی

قعرِ دریا ہی تو وہ جگہ ہے جہاں فصُوص (نگ) پائے جاتے ہیں ۔"

(۶۲)

ایک محقق مورخ کا کہنا ہے کہ المنصور بن ابی عامر نے ہشام المؤیّد پر ایسی پابندی عائد کی کہ جب سے اس نے حاجب کا عہدہ سنبھالا ہشام کو کسی نے دیکھا ہی نہیں کبھی برسوں میں اگر ایسا ہوا بھی کہ اس نے ان کی سواری نکالی تو اس طرح کہ جیسا اُن کو بُرنس پہنایا بالکل ویسا ہی بُرنُس ان کی خواص کنیزوں کو بھی پہنایا اور دونوں میں تمیز نہ رہی۔ ساتھ ہی حکم دیا کہ لوگوں کو راستہ سے ہٹا دیا جائے جب تک کہ المویّد اپنی تفریح گاہ جا کر لوٹ نہ آئیں ....

...... جب کبھی المنصور سفر پر جاتا تو ایک کسی کو ذمہ دار بنا جاتا کہ وہ المؤیّد کے ساتھ یہی سلوک کرے ۔ چنانچہ اس کا یہ فعل اندلس سے بنو امیّہ کی حکومت کے خاتمہ کا سبب بنا ۔ اس کے علاوہ اپنے خلاف بنو امیہ کی شورش کے ڈر سے وہ یہ بھی کرتا کہ ان میں سے جس کی طرف سے کھٹکا ہوتا اسے قتل کر ڈالتا اور ظاہر یہ کرتا کہ وہ یہ سب کچھ المویّد کی حمایت میں کرتا ہے ۔ غرض یہ کہ بنو امیّہ میں سے جو حکومت کی صلاحیت رکھتے تھے انھیں اس نے فنا کر دیا باقی جو بچے انھیں ملک کے اندر تتر بتر کر کے گوشۂ گمنامی میں ڈال دیا اور آبائی اور ذاتی مال و متاع سے ننگا کر دیا، بعض نے تو محفل اور مجلس کا رکھ رکھاؤ چھوڑ کر سنسان جگہوں میں سکونت اختیار کر لی ۔ چنانچہ کسی نے جو المنصور کے اس فعل پر برہم تھا ایک قصیدہ میں کہا تھا :۔

" اے بنو امیّہ! کہاں ہیں تم میں سے وہ جو ظلمتوں میں ماہ، انجم اور ستارہ تھے؟

تم میں جو شیر تھے وہ اپنے کچھار میں نہ رہے

اسی لئے یہ لومڑی حکومت پر قابض ہو گئی ۔"

ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ المنصور کے قابلِ فخر کارنامے بھی ہیں جن کی بدولت انھیں سارے اگلوں پچھلوں پر فوقیت حاصل ہے، یعنی یہ کہ وہ دشمن سے ڈٹ کر جہاد کرتے تھے اور بنفسِ نفیس صبح و شام بار بار اقدام کرتے تھے ۔

Marfat.com

(۶۳)

المنصور کی بابت کسی نے کیا خوب کہا ہے :-

"اس کے آثار تمھیں اس کے اخبار بتاتے ہیں
ایسی اچھی طرح کہ گویا تم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔
قسم اللہ کی، نہیں حاکم ہوا اس جزیرہ پر کسی نے جو اس جیسا ہو
اور سچ تو یہ ہے کہ لشکر کی قیادت بھی اس کے سوا کسی سے بن نہ آئی۔"

ملک سیاست اور حکومت میں جو عناصر دخیل تھے یعنی صقالبہ، بربر اور عرب، المنصور نے انکو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کیا اور بالآخر سب کو تنظیم اور قیادت سے محروم کر کے سب کا زور توڑ دیا۔ اس طرح اس کی اپنی آمریت کے لئے راہ ہموار ہو گئی، لیکن آمریت کو خود بھی تو ایک وسیلۂ طاقت درکار ہوتا ہے۔ جب قدیم عناصر عصبیت، رقابت اور طمع حکومت کا شکار ہو کر افتراق و انتشار کا موجب بنیں اور ایک اولوالعزم آمر ان کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر نہ رہنا چاہے تو اُس زمانے میں اِس مزمن مرض کا مروجہ طریقہ علاج یہی تھا کہ بیرونِ ملک سے ایک نئی زر خرید عصبیت اور طاقت درآمد کر کے اس پر تکیہ کیا جائے اور لوہے سے لوہا کاٹ کر تمام شورش پسند عناصر سے اپنی طاقت کا لوہا منوایا جائے۔ اس سے پہلے صقالبہ کے فوجی دستہ کی تشکیل اسی حکمت عملی کے تحت ہوئی تھی۔ یہ نیا عنصر جو خلیفہ کو عرب اور بربر کے چنگل سے آزاد کرانے کے لئے وجود میں آیا تھا مرور زمانہ سے اندرونی سیاسی کشمکش میں ایک فریق بن چکا تھا۔ اب المنصور نے تمام ملکی عناصر پر یکساں اپنی مرضی چلانے کیلئے ایک نیا وسیلۂ طاقت ایجاد کیا اور وہ یہ کہ زُقاق کے اس پار سے نئے بربری بلائے اور ان سے ایسی فوج ترتیب دی جو تنہا اسکی تابع فرمان تھی اور خود اپنی کوئی سیاست نہیں رکھتی تھی۔

عرب دو شاخوں میں منقسم ہیں؛ ایک شمالی جو مُضَری کہلاتی ہے، دوسری یمنی جسے قحطانی بھی کہتے ہیں۔ ان دونوں میں ہمیشہ سے شدید رقابت رہی ہے جو مشرق ہو یا مغرب جہاں بھی عرب گئے بسا اوقات ان کی کمزوری اور زوال کا سبب بنی۔ المنصور نے

Marfat.com

قبائل کے ساتھ انتساب ممنوع قرار دے دیا تھا، وہ لوگوں کو قبیلہ کے ساتھ نسبت کے اظہار پر تفاخر سے روکتا تھا[۵۱]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چاہتا تھا کہ عرب آپس کی تاریخی عداوت کو بھول جائیں اور ان میں یکجہتی پیدا ہو۔ چونکہ خلافت مُضَری شاخ میں تھی اور المنصور قحطانی یمنی تھا اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس کی نیت اپنے آپ کو مقبول بنانے کی رہی ہو، تاہم یہ قومی یکجہتی کی طرف ایک مثبت اقدام تھا۔ اس کے علاوہ اس نے مختلف عناصر کو غیر فعّال بنانے پر اکتفا کیا اور ان میں کوئی نفسیاتی تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اس نے قومی اتحاد کے کسی پائدار بعید المدیٰ[۵۲] منصوبہ پر عملدرآمد نہیں کیا، ملک کو افتراق و انتشار سے نجات دلانے کے لئے اس نے جو قصیر المدیٰ[۵۳] تدابیر اختیار کیں ان کے نتیجہ میں صرف دو طاقتیں باقی رہ گئیں: ایک خود اس کی اقبال مند شخصیت دوسرے اس کے زر خرید بربر۔ خلیفہ بے بس اور بے اختیار ضرور تھا لیکن یہ کٹھ پتلی بے قیمت نہ تھی سیاست و حکومت کا کوئی تماشا اس کے بغیر ناممکن تھا۔

ابھی تک ہماری نظر میں صرف اعلیٰ طبقہ تھا جو سیاست و حکومت میں دخیل تھا۔ یہ طبقہ فوجی طاقت کے بل بوتے پر جیتا تھا اور فوج کا خلوص عصبیت یا زر خرید وفاداری پر مبنی ہوتا تھا۔ عرب اور بربر فاتحین اور صقالبہ ماجورین[۵۴] کا پیشہ آبا سپہ گری تھا اور فوجی خدمت کو انھوں نے اپنے لئے مخصوص کر رکھا تھا، اسی امتیاز کی بدولت یہ سیاست اور حکومت میں حصہ دار تھے۔ لیکن ان کے علاوہ ملک کی آبادی کا بہت بڑا حصہ مولّدین اور اہلِ بلد پر مشتمل تھا۔ عرب اور بربر جو اندلس گئے وہ اپنے ساتھ عورتیں نہیں لے گئے، انھوں نے عدم تفریق عنصری اور معاشرتی رواداری کے اسلامی اصولوں کے مطابق بڑے پیمانہ پر سنہرے بالوں والی اندلسی عورتوں سے شادیاں کیں، تھوڑے ہی عرصہ میں ایک نئی

---

۵۱ نفح الطیب ۱/ ۱۳۷

۵۲ Long-term.

۵۳ Short-term.

۵۴ ماجور = Mercenary

Marfat.com

مخلوط نسل وجود میں آئی، اس نسل کے لوگ مولّدین کہلاتے تھے۔ اندلسی ماؤں کی اولاد خاص طور پر ذہنی صلاحیتوں کے لئے مشہور تھی[1]۔ باقی اہلِ بلد اندلسی تھے جن میں مسلمان بھی تھے اور نصرانی بھی۔ لیکن نصرانیوں میں بھی بڑا حصہ اُن کا تھا جو عربوں کے پیرایہ پوش تھے، عربی زبان، ادب، علم و فن بالخصوص غزل و موسیقی، لباس و آداب معاشرت میں عرب بنے ہوئے تھے، یہ مُستعرب[2] کہلاتے تھے۔

خاص طور پر قرطبہ کا یہ تھا کہ وہ دارالخلافہ ہونے کے ساتھ ملک کا سب سے بڑا صنعتی و تجارتی مرکز تھا۔ وہاں ایک طرف تو خلیفہ اور ارباب حکومت اور قائدینِ فوج مع اپنے خدم و حشم اور عملہ اور لاؤلشکر کے رہتے تھے، دوسری طرف جمِ غفیر چھوٹے تاجروں، صنعت کاروں اور مزدوروں کا تھا۔ عموماً اربابِ حکومت صرف فوجی عناصر کو خاطر میں لاتے تھے، بقیہ آبادی ان کے نزدیک ساقط الاعتبار تھی لیکن جب کبھی بھی اکثریت جس پر "عامۃ الناس" اور "رعایا" کا اطلاق ہوتا تھا، بگڑ بیٹھتی اور اسے حکومت یا فوج کے طبقہ میں سے کسی باعزت کی باعزت قیادت مل جاتی تو بڑے بڑے آمروں کے چھکے چھوٹ جاتے اور انھیں معلوم ہوتا کہ سارے وہ حساب جن میں رضار عامہ کا شمار نہ کیا گیا ہو غلط ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ملک کی عام آبادی، بشمول عرب و عجم و مسلم و نصرانی، خلافت کا حقدار صرف خانوادۂ بنو امیّہ کو سمجھتی تھی، خلافت پر جو بھی نگاہ ڈالے وہ اس کے نزدیک غاصب تھا۔ المنصور کے حلم اور دانشمندی سے بعید تھا کہ وہ اس حقیقت سے تجاہل برتے۔ چنانچہ وہ ہمیشہ خلافت کے اختیارات پر قانع رہا، خلافت کا نام اس نے ہشام کے لئے چھوڑ رکھا۔ اموی خلیفہ، کٹھ پتلی ہی سہی، عام رعایا کی وفاداریوں کا مرکز تھا۔

المنصور کا منصب اور لقب آخر دم تک "حاجب" ہی رہا۔ اس کی وفات کے

---

[1] احمد امین، ظہر الاسلام (القاہرہ، ۱۹۶۲ء) ۳/۲۔

[2] Mozarabs.

بعد اس کا بیٹا المظفر جانشین ہوا۔ اس کا عہد بہت مختصر تھا اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ لیکن جب المظفر کی جگہ اس کا بھائی عبدالرحمٰن سنجور[۱] آیا تو اس نے یہ غلطی کی کہ ہشام سے اپنے حق میں ولی عہدی کا پروانہ حاصل کر لیا۔ اس پر عام بغاوت ہو گئی، باقی سب تو خلاف تھے ہی خود عربوں کو بھی ایک یمنی قحطانی کا خلیفہ ہونا گوارا نہ تھا۔ چنانچہ عام رعایا نے محمد بن ہشام بن عبدالجبار بن الناصر الملقب بہ المہدی سے بیعت کی اور ایک دن کے اندر اندر ہشام المؤید کو معزول کر کے آل عامر کی امارت کا خاتمہ کر دیا۔ رضائے عامۃ تو المہدی سے بیعت کے بعد ظاہر ہو چکی تھی لیکن یہ بھی ظاہر تھا کہ رضائے عامہ کا کوئی احترام نہیں۔ عامۃ الناس نہتے، فوجی تربیت سے عاری نہ تو منظم جنگ کے لئے تیار ہوتے ہیں نہ اس کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اپنی مرضی منوانے کا ان کے پاس ایک ہی حربہ ہوتا ہے اور وہ ہے نقض امن، تخریبی اعمال اور لوٹ مار۔ اس کی بابت جو بھی کہا جائے لیکن جہاں رضائے عامہ کا احترام نہ ہو وہاں یہ بالکل طبعی ہے۔ اس موقع پر بھی یہ ہوا کہ نہ صرف الزہراء جن کا ذکر اوپر گذرا بلکہ الزاہرہ بھی، جسے الزہراء کے مقابلہ میں المنصور بن ابی عامر نے ۳۶۸ھ تا ۳۷۰ھ میں تعمیر کرایا تھا، کھنڈرات میں تبدیل ہو گیا۔ یہ واقعہ ۳۹۹ھ کا ہے۔ ہاں! یہ بھی ہوا کہ عامۃ الناس ایسے بے قابو ہو گئے اور تخریبی اعمال کے ایسے عادی ہو گئے کہ اس کے بعد قرطبہ کئی دفعہ لوٹا گیا اور استقرار معدوم ہو گیا تا آنکہ خلافت ہی ختم ہو گئی اور اس کی جگہ طوائف الملوکی کا دَور دَورہ ہو گیا۔

(۶۴)

اس کے بعد تو بس یہ ہوا کہ المنصور نے وفات پائی اور المظفر نے حکومت سنبھالی، اس کا عہد طویل نہ ہوا تو اس کا بھائی عبدالرحمٰن الملقب بہ "سنجور" امیر بنا۔ اسکے خلاف المہدی نے اور عامۃ الناس نے بغاوت کی۔ اور ان کے سبب سنجور پر اور اسکی

---

[۱] سنجور/شنجول = Sancho. تصغیر، Sanchuelo. = عبدالرحمٰن کی ماں Navarre. کے بادشاہ Sancho. کی بیٹی تھی۔

Marfat.com

قوم پر قیامت ٹوٹ پڑی، آل عامر کی حکومت ختم ہوگئی، اور ان میں کوئی آمر باقی نہ رہا. . . . . الزاھرۃ کھنڈر بن گیا، اور " دابرہ "۔ گذرے ہوئے کل کی طرح ہوگیا، اس کے شاہی دربار اور محلات خالی ہوگئے اور وہاں جو سامان، ذخیرے اور اسلحہ تھے وہ لوٹ مار کے نذر ہوگئے، اور اس کا حال ایسا پراگندہ ہوا کہ اصلاح فساد کی امید بھی نہ رہی، سارے کا سارا نرم میدان بن گیا اور خوشی اور بے فکری کے دن غم کے دنوں سے بدل گئے۔ روایت ہے کہ اس زمانہ کا کوئی ولی وہاں (الزاھرہ) سے گذرا، اس نے جو بڑھیا اونچے اونچے محل دیکھے اور بلند خوبصورت عمارتیں دیکھیں تو بولا: اے شہر! تیرے اندر ہر شہر سے لیا ہوا کچھ نہ کچھ ہے، اللہ کرے تجھ سے لیا ہوا کچھ نہ کچھ ہر شہر میں ہو۔ راوی کا کہنا ہے کہ اس نیک مرد کی بددعا کے بعد چند ہی دن گزرے ہوں گے کہ اس شہر کے ذخیرے لوٹے گئے، اور وہ سارے کا سارا بربادی کی لپیٹ میں آگیا، چنانچہ اندلس میں کوئی ایک شہر بھی ایسا نہ بچا جس میں الزاھرہ کے مال غنیمت کا تھوڑا بہت حصہ نہ پہنچا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی دعا پوری کر دکھائی جس کا اپنے رب کے ساتھ بہت بڑا تعلق تھا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ الزاھرہ کی لوٹی ہوئی بعض چیزیں بغداد اور دوسرے مشرقی ملکوں میں بیچی گئیں۔ پاک ہے وہ ذات جس کی سلطنت کو زوال نہیں اور جس کی حکومت کبھی نہ ختم ہونے والی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(۶۵)

الشیخ سیدی محی الدین بن العربی "المسامرات" میں فرماتے ہیں: مدینۃ الزہرا، جو قرطبہ کے قریب تھا اور جس کی تعمیر بلاد اندلس میں حیرت انگیز تھی، جب وہ کھنڈر ہوگیا اور پرندوں اور وحشی جانوروں کا مسکن بن گیا تو میں نے اس پر لکھے ہوئے چند ابیات پڑھے جو عاقل کو سبق دیتے ہیں اور غافل کو ہوش میں لاتے ہیں، اور وہ یہ ہیں:۔

" تفریح گاہوں کے آس پاس کچھ گھر ہیں جو صاف نظر آتے ہیں

Marfat.com

اس حال میں کہ ان میں کوئی رہنے والا نہیں ہے اور وہ ویران ہیں۔
ہر طرف سے پرندے ان پر نوحہ کرتے ہیں۔
کبھی خاموش ہو جاتے ہیں اور کبھی اپنی آوازوں کی گونج بلند کرتے ہیں۔
انھیں میں سے ایک نغمہ زن پرندے میں مخاطب ہوا
اس کا دل غمناک تھا اور وہ سہما ہوا تھا۔
میں نے اس سے پوچھا: تو کس چیز پر نوحہ اور شکوہ کر رہا ہے؟
اس نے کہا: اس زمانہ پر جو گذر گیا اور اب واپس نہیں آئے گا۔"

(۶۶)

"المطمح" میں مذکور ہے کہ حزم بن جہور نامی وزیر کبیر نے جب بنو امیہ کے وہ قصر دیکھے جن کی عمارتیں سرنگوں ہو گئی تھیں اور جن کے صحنوں میں وحشی جانوروں نے مانوس لوگوں کی جگہ لے لی تھی تو انھوں نے کہا:۔

"ایک دن میں نے ان لوگوں کے گھروں سے جو فنا ہو گئے ہیں، کہا:
تمہارے وہ رہنے والے کہاں ہیں جو ہم کو عزیز تھے؟ ؎
انھوں نے جواب دیا: کچھ عرصہ وہ یہاں مقیم رہے
پھر چلے گئے معلوم نہیں کہ کہاں؟!!"

سلہ "مطمح الانفس" لفتح بن خاقان۔

علوم کی قدر اور علماء کی منزلت

(۶۷)

اصناف علم میں اہلِ اندلس کا حال۔ اس باب میں ان کی بابت تحقیق اور انصاف کی بات یہ ہے کہ وہ "تمییز" یعنی مراتب کو جاننے پہچاننے کا سب سے زیادہ خیال رکھتے ہیں: جاہل جسے اللہ نے علم کی توفیق نہیں دی وہ پوری کوشش کرتا ہے کہ کسی صنعت میں امتیاز حاصل کرے، اور اپنے لئے یہ پسند نہیں کرتا کہ خالی رہے اور دوسروں پر بار بنے، اس لئے کہ یہ ان کے نزدیک بہت ہی بُرا ہے۔ عالم کی ان کے یہاں خاص وعام سب ہی تعظیم کرتے ہیں، وہ توجہ کا مرکز ہوتا ہے۔ اسی سے سند لی جاتی ہے، لوگوں میں اس کی بڑی قدر ومنزلت اور شہرت ہوتی ہے، جب وہ کسی پڑوس میں رہے یا کوئی چیز خریدنے جائے یا ایسا ہی کوئی اور موقع ہو تو اس کی بڑی عزت کی جاتی ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود اہلِ اندلس کے لئے مدارس نہیں ہیں جو تحصیل علم میں انکی امداد کریں، بلکہ وہ سارے علوم مساجد میں اجرت سے پڑھتے ہیں، چنانچہ وہ جو پڑھتے ہیں تو علم حاصل کرنے کے لئے نہ کہ وظیفہ لینے کے لئے۔ ان میں جو عالم ہوتا ہے وہ غیر معمولی قابلیت رکھتا ہے اس لئے کہ اسے طلب علم کی دلی خواہش اور لگن ہوتی ہے جو اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ نفع کا کاروبار چھوڑے اور جو کچھ اس کے پاس ہو اس میں سے خرچ کرکے علم حاصل کرے۔ اہلِ اندلس کے یہاں سارے ہی علوم مقبول ہیں اور سب ہی کا اہتمام کیا جاتا ہے بجز فلسفہ اور نجوم کے، یہ دونوں علوم خواص میں بہت مقبول ہیں لیکن عوام کے ڈر سے وہ انھیں سامنے نہیں لاتے، اس لئے کہ اگر کسی کے متعلق یہ مشہور ہو جائے کہ وہ فلسفہ پڑھتا ہے یا نجوم میں لگا رہتا ہے تو عوام اسکو زندیق کا نام دیتے ہیں اور اس کے لئے سانس لینا مشکل کر دیتے ہیں۔ اگر زیادہ عرصہ اس کی بابت شبہ رہے تو سنگسار کر دیتے ہیں یا آگ میں ڈال دیتے ہیں اس

Marfat.com

سے پہلے ہی کہ اس کا معاملہ سلطان تک پہنچے، ورنہ پھر سلطان اس کو قتل کرادیتا ہے تاکہ عوام کے دل اس سے خوش ہوجائیں۔ اور اکثر تو بادشاہ یہ کرتے ہیں کہ اس قسم کی جو کتابیں ملتی ہیں انھیں نذرِ آتش کر دینے کا حکم دیدیتے ہیں، المنصور بن ابی عامر نے بھی اپنے عروج کے ابتدائی زمانے میں اسی ذریعہ سے عوام کا دل خوش کیا، حالانکہ وہ خود چوری چھپے اس مشغلہ سے بَری نہ تھا، جیسا کہ الحجاری کا بیان ہے، باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔ ساتوں طریقوں پر قرآن کی قرارت اور حدیث کی روایت کا ان کے یہاں بلند مرتبہ ہے، اور فقہ کی بڑی رونق اور وجاہت ہے، مذہبِ مالک کے علاوہ ان کے یہاں اور کوئی مذہب نہیں، خواص بقیہ مذاہب کی وہ باتیں یاد کرلیتے ہیں جو علوم میں دسترس رکھنے والے بادشاہوں کے روبرو مباحثہ میں کام آئیں۔ فقیہ کا لقب ان کے یہاں بہت بڑا سمجھا جاتا ہے، حد یہ ہے کہ جب مسلمان اپنے کسی بڑے امیر کی شہرت میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کو فقیہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس وقت فقیہ مغرب میں بمنزلہ قاضی کے ہے مشرق میں۔ کبھی کبھی کاتب، نحوی اور لُغوی کو بھی فقیہ کہہ دیتے ہیں اس لئے کہ یہ ان کے یہاں کا سب سے اونچا لقب ہے۔ علم الاصول ان کے یہاں درمیانی حال میں ہے۔ نحو اُن کے یہاں انتہائی بلند طبقہ میں ہے، اس میں وہ بہت بحث کرتے ہیں اور اسکے مذاہب کو فقہ کے مذاہب کی طرح یاد کرتے ہیں۔ کسی علم کا بھی کوئی عالم جب تک وہ علمِ نحو پر ایسا قادر نہ ہو کہ اس کے باریک سے باریک نکتے بھی اس پر مخفی نہ ہوں اس وقت تک وہ ان کے نزدیک امتیاز کا مستحق نہیں قرار پاتا، اور نہ تحقیر سے بچ سکتا ہے، حالانکہ اندلس کے لوگوں کا بول چال جو خاص و عام میں رائج ہے وہ بہت کافی ہٹا ہوا ہے ان طریقوں سے جو عربیت کے لئے لازمی ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی عرب ابوعلی الشلوبینی کا کلام سُنے جبکہ وہ درس دے رہے ہوں تو وہ زور سے ہنس پڑے گا اس لئے کہ ان کی زبان حد درجہ بگڑی ہوئی ہے حالانکہ وہ اس وقت علم نحو میں ممتاز ہیں اور ان کی تصانیف مشرق و مغرب میں دور دور پہنچ چکی ہیں۔

Marfat.com

اگر کوئی خاص آدمی اعراب کے ساتھ بولے اور نحو کے قاعدوں پر چلے تو اسے صبر آزما اور غیر دلچسپ خیال کرتے ہیں، لیکن قراءۃ کرنے میں اور خطوط لکھنے میں اس کا پورا لحاظ کرتے ہیں۔ اور متفرق علم ادب' از قبیل حفظ تاریخ و نظم و نثر اور دلچسپ حکایات' ان کے یہاں کا شریف ترین علم ہے۔ بادشاہوں اور بڑے لوگوں کی مجلسوں میں اسی کے ذریعہ تقرب حاصل ہوتا ہے' عالموں میں سے بھی جو ادب سے بے بہرہ ہو وہ ناقابل توجہ اور اس کی صحبت غیر مرغوب ہوتی ہے۔ شعر کا ان کے یہاں بڑا دور دورہ ہے اور شاعروں کی بادشاہوں کے یہاں بڑی قدر و منزلت ہے، شاعر بادشاہوں سے بہت کچھ پاتے اور وظیفے لیتے ہیں۔ اچھے شعراء بڑے بڑے بادشاہوں کی مختلف مجلسوں میں شعر سناتے ہیں اور ان کو انکے مرتبہ کے مطابق صلہ کے پروانے دیئے جاتے ہیں، بیشتر اوقات تو ایسا ہی ہوتا ہے' البتہ اگر کبھی زمانہ خراب ہو اور جہل غالب آجائے تو اور بات ہے۔ اندلس میں جو شخص نحوی یا شاعر ہو وہ لامحالہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور اتراتا اور اکڑ دکھاتا ہے، یہ ان کی فطری عادت ہے۔

احتساب

(۶۸)

احتساب کا کام ان کے یہاں علم اور غیر معمولی سمجھ رکھنے والے لوگوں کے سپرد کیا جاتا ہے، احتساب کرنے والا قاضی کے درجہ میں ہوتا ہے، اس کا معمول یہ ہوتا ہے کہ وہ خود سوار ہو کر بازاروں میں گھومتا ہے، اس کے ساتھ اس کے مددگار ہوتے ہیں؛ ایک مددگار کے ہاتھ میں ترازو ہوتا ہے جس میں وہ روٹی تولتا ہے' اس لئے کہ روٹی ان کے یہاں ایک خاص وزن کی ہوتی ہے' چوتھائی درہم میں ایک معین وزن کی روٹی ملتی ہے اور اسی طرح ⅛ درہم میں ایک اور معین وزن کی۔ اس میں مصلحت یہ ہے کہ خریدار ایک چھوٹے بچے یا الھڑ لڑکی کو بھیج دے تو وہ بھی

Marfat.com

بازار سے اس کے لئے اتنا ہی خرید کر لاتے ہیں جتنا ایک اوزان کا ماہر لاتا ہے۔ یہی
حال گوشت کا ہے، اس کے اوپر اس کے نرخ کی پرچی لگی ہوتی ہے، اور قصائی
کی یہ جرأت نہیں ہوتی کہ محتسب نے پرچی میں اس کے لئے جو نرخ معین کر دیا
ہے اس سے کم و بیش فروخت کرے۔ اس کی خیانت چھپ بھی نہیں سکتی، اس لئے کہ
محتسب اس کے پاس چپکے سے کسی لڑکے یا لڑکی کو بھیجتا ہے اور وہ اس سے جو کچھ
خرید کر لاتا یا لاتی ہے اس کے وزن کی وہ جانچ کرتا ہے، اگر اس میں کچھ کمی پاتا ہے تو
اسی پر قیاس کر لیتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ اس کا کیا معاملہ ہوگا، پھر تو کچھ نہ پوچھو کہ اس پر
کیا گذرتی ہے، اگر یہی حرکت اس سے بار بار سرزد ہو اور پٹائی کے اور بازاروں
میں تشہیر کے بعد بھی باز نہ آئے تو اسے شہر بدر کر دیا جاتا ہے۔ احتساب کی تمام صورتوں
سے متعلق ان کے یہاں قوانین ہیں جن پر ان کا عمل ہے اور جنھیں وہ اسی طرح پڑھتے ہیں
جس طرح احکام فقہ کو، اس لئے کہ وہ ساری ہی استعمال کی چیزوں پر نافذ ہوتے ہیں
اور ان کی اتنی فروع ہیں کہ ان کا بیان بہت طویل ہو جائے گا۔

Marfat.com

عوام کا دینی شعور

(۶۹)

جہاں تک مذہب کی پابندی کے بارے میں اہل اندلس کے دستور کا تعلق ہے وہ زمانہ کے مطابق اور بادشاہوں کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ بیشتران کے یہاں حدود قائم کی جاتی ہیں اور ایسی بے توجہی کو جس سے حدود معطل ہو جائیں بُرا سمجھا جاتا ہے۔ عوام خود اس کا خیال رکھتے ہیں اور اگر حکومت کے لوگ بے توجہی کریں تو اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں۔ کبھی کبھی بادشاہ بھی اس قسم کی کوئی بات کر بیٹھتا ہے اور اسے برا نہیں سمجھتا تب تو وہ اس کے بلند محل میں گھس پڑتے ہیں، اس کے پیادوں سواروں کی بھی پروا نہیں کرتے، تا آنکہ اس کو وہ اپنے شہر سے نہ نکال دیں، ایسی باتیں ان کی تاریخوں میں بہت ہیں۔ رہا قاضیوں اور عمال حکومت کو سنگسار کرنا جبکہ وہ عدل نہ کریں تو یہ تو روز کی بات ہے۔

انسدادِ گداگری

(۷۰)

فقرا کا یہ طریقہ، اہلِ شرق کی عادت کے مطابق، کہ وہ پھیری پر نکلتے ہیں، محنت سے جی چراتے ہیں اور بازاروں میں مانگنے کے لئے بے آبرو ہوتے ہیں، یہ ان کے یہاں حد درجہ معیوب ہے۔ جب وہ کسی تندرست آدمی کو جو کام کرنے پر قادر ہو مانگتا ہوا پاتے ہیں تو اسے گالیاں دیتے ہیں اور ذلیل کرتے ہیں بجائے اس کے کہ اس کو صدقہ دیں۔ اسی وجہ سے تم کو اندلس میں جو بھی مانگنے والا ملے گا وہ صاحبِ عذر ضرور ہو گا۔

Marfat.com

نگاہِ واپسیں[1]

اندلس میں عرب اور بربر فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے، وہاں کے اصلی باشندے ہسپانوی مسیحی کیتھلک تھے۔ فاتحین کے قافلہ میں صرف مرد تھے، عورتیں نہ تھیں، جیسے ہی ان باہر سے آنے والوں نے اندلس کو فتح کیا، اور نہ صرف فتح کیا بلکہ مستقل وطن بنایا، ویسے ہی بڑے پیمانہ پر ہسپانوی اہلِ کتاب عورتوں سے شادیاں کیں۔ چنانچہ بہت جلد ایک نئی نسل مولّدین کی وجود میں آئی جو شہامت اور ذکاوت دونوں لحاظ سے ممتاز تھی۔ ایک نیا عنصر صقالبہ کا تھا جو سارے جنوبی یورپ سے غلام یعنی خانگی اور فوجی خدمت گذار کی حیثیت میں آتے تھے، عربوں کے وفادار اور حاکموں کے جاں نثار بن کر رہتے تھے، اور رفتہ رفتہ مقامی آبادی میں شامل ہو کر ملکی معاملات میں دخیل بن جاتے تھے۔ لیکن ہسپانی مسیحیوں کے ایک متعصب گروہ کو چھوڑ کر یہ سارے کے سارے مختلف عناصر عربی زبان وادب، عربی علوم، عربی فنون۔ بالخصوص موسیقی و رقص۔ اور عربی آداب معاشرت۔ لباس وضع قطع رہن سہن۔ کے دلدادہ تھے، اور ان میں سیاسی اقتدار کی کشمکش کتنی ہی شدید کیوں نہ ہو، خواہ خونریز جنگ ہی کی شکل کیوں نہ اختیار کرے، دینِ اسلام، عربی زبان و ادب اور اسلامی عربی تہذیب و معاشرت سے ان سب کی وفاداری ہمیشہ استوار رہتی تھی۔

عرب تو اسلام اور عربیۃ (عربی زبان و علوم و فنون) کے حامل تھے ہی۔ بربر، مولّدین اور صقالبہ کا دین اسلام کے ساتھ وفاداری میں برابر کا شریک ہونا بھی ظاہر ہے۔ وہ اہل بلد ہسپانی جو دین مسیحی ترک کر کے مسلمان ہو گئے تھے وہ بھی اس بارے میں کسی سے کم نہ تھے۔ قابل لحاظ یہ ہے کہ ان غیر عربی عناصر میں سے

---

[1] Retrospect.

Marfat.com

جو بھی اسلام لاتا تھا وہ دل وجان سے عربی زبان کو اپناتا تھا اور شعوری طور پر اپنی مادری قومی زبان سے پیچھا چھڑاتا تھا۔ تاریخ میں بارہا ایسے موقعے آئے کہ عربوں سے نفرت ہے، ان کے خون کے پیاسے ہیں، لیکن عربی زبان کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ بربری نسل پر فخر کرتے ہیں لیکن بربری زبان کا ذکر تک نہیں کرتے۔ یہی حال ہسپانیوں اور صقلبیوں کا تھا جو شعوری طور پر عربی میں مہارت پیدا کرتے تھے گو غیر شعوری طور پر ان کی عربی میں عجمیت کی ملاوٹ روزمرّہ کی حد تک شامل ہو جاتی تھی۔ پھر بھی یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ان کی اپنی مادری زبانوں کی کوئی مستقل حیثیت گھر کے اندر یا گھر کے باہر باقی نہ تھی۔ اس کے دو سبب تھے: ایک یہ کہ اسلام لانا اور قرآن کی زبان کو اپنانا دو جداگانہ فعل نہیں تصور کئے جاتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کی زبان کو اپنانا ایک ضروری تمہ تھا اسلام لانے کا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی علمی کاوشوں میں قرآن کے تراجم کا کوئی قابل ذکر حصہ نہیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں، گذشتہ صدی ہی میں دو اشخاص کو قرآن کا بربر زبان میں ترجمہ کرنے کی پاداش یہ ملی کہ وہ قتل کر دیئے گئے[1]۔

دوسرے یہ کہ عربی زبان فی الواقع اپنی ساخت، صرفی نحوی اور اشتقاقی صفات اور علمی وادبی سرمایہ کی بدولت عالمی برتری حاصل کر چکی تھی۔ اس کے مقابلہ میں بربری اور ہسپانی زبانوں کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ یہ حقیقت اس وقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے جب ہم مسیحی ہسپانیوں کو اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے عربی زبان بولتے اور عربی ادب پڑھتے دیکھتے ہیں۔ اندلس میں اسلام کے قدم پہنچنے سے پہلے مسیحیوں کی دینی اور عام طور پر علمی زبان لاطینی تھی، لیکن لاطینی کلیسا میں محدود ہو کر رہ گئی تھی اور مردہ کے حکم میں تھی، لاطینی ادب میں نہ تو عقل کی غذا اور اس کی بالیدگی کا سامان تھا، نہ انسانی جذبات کی آسودگی، تازگی اور حیات افروز ترجمانی کا اہتمام تھا، نہ ہی اس کے شعر و ادب کے سانچے اعلیٰ جمالیاتی حس کے تقاضوں کو پورا کرتے تھے۔ عربی زبان کے رواج اور

---

[1] عثمان الکعاک: البربر، تونس، ۱۹۵۶ء۔ ص ۱۱۷۔۱۱۶۔

Marfat.com

اس کی عام مقبولیت کے اس پہلو سے عرب مورخین کچھ اعتنا نہیں کرتے، ان کی بے اعتنائی ایک عجیب خود اعتمادی کا پتہ دیتی ہے، نہ تو وہ مسیحیوں کے عربی پڑھنے لکھنے پر شادیانے بجاتے ہیں، نہ لاطینی کی تنقیص کرتے ہیں۔ ہاں! خود مسیحیوں کی ایک چھوٹی مگر غالی متعصب اور شوریدہ سر جماعت ایسی تھی جو اپنے ہم مذہبوں اور ہم وطنوں کی عرب نوازی سے نالاں تھی۔ اس جماعت میں یا تو رجال دین پادری تھے یا سرمایہ دار تاجر۔ ان کی حمیت دینی اور غیرت وطنی کو ٹھیس لگتی تو یہ تحریر و تقریر کے ذریعہ اپنے بھٹکے ہوئے ساتھیوں کو یوں للکارتے:۔

Captivated by the glamour of Arabian literature, men of taste despised Latin authors, and wrote only in the language of their conquerors. A contemporary writer, more patriotic than the majority of his fellow-citizens, bitterly deplores this fact. "My fellow-Christians", he says, "delight in the poems and romances of the Arabs; they study the works of Mohammedan theologians and philosophers, not in order to refute them, but to acquire a correct and elegant Arabic style. Where to-day can a layman be found who reads the Latin commentaries on Holy Scriptures? Who is there that studies the Gospels, the Prophets, the Apostles?

Alas! the young Christians who are most conspicuous for their talents have no knowledge of any literature or language save the Arabic; they read and study with avidity Arabian books; they amass whole libraries of them at a vast cost, and they everywhere sing the praises of Arabian lore. On the other hand, at the mention of Christian books they disdainfully protest that such works are unworthy of their notice. The pity of it ! Christians have forgotten their own tongue, and scarce one in a thousand can be found able to compose in fair Latin a letter to a friend ! But when it comes to writing Arabic, how many there are who can express themselves in that

Marfat.com

language with the greatest elegance, and even compose verses which surpass in formal correctness those of the Arabs themselves!'' Predilection for Arabic literature. and almost universal neglect of Latin were, after all, not surprising. The works of the great poets of antiquity were not extant in Cordova; theological treatises had little attraction for men of the world, and contemporary literature exhibited every sign of extreme decadence. Latin poetry was, it is true, still written, but the rules of quantity having been forgotten, it assumed the form of rhymed verses, in which accent alone was observed, and which moreover were composed in a style as slipshod as it was pretentious.''

Dozy : Spanish Islam,
London, 1913—pp. 268-69.

الغرض لاطینی میں قدیم شعروادب کا جو ذخیرہ تھا اسے اہل کلیسا نے حرام کر رکھا تھا، مذہبی رسالے عوام کے لئے غیر دلچسپ تھے، معاصر ادب انحطاط کا آئینہ بردار تھا۔ انحطاط کی سب سے بڑی نشانی یہ تھی کہ لاطینی شعر میں گو قافیہ باقی تھا لیکن حرکت وسکون کی کمیت کا لحاظ جاتا رہا تھا، اس کی جگہ صرف " نبَرہ " (accent) کو شمار میں رکھا جاتا تھا اور اسلوب بھی نرا مصنوعی اور پھسپھسا بن چکا تھا۔ چنانچہ Alvaro. جس کا غم وغصہ سے بھرا ہوا بیان اوپر نقل ہوا حالانکہ وہ ایک عام دنیادار آدمی تھا، اسی کا ایک پڑھا لکھا دوست Eulogius. تھا جو ارباب کلیسا میں تھا۔ اس نے عربی ادب سے توجہ ہٹانے کیلئے اس قدیم لاطینی ادب کو زندہ کیا جسے کلیسا نے شجر ممنوعہ قرار دے رکھا تھا:۔

" He (Eulogius) even found enough calmness and detachment of mind to compose a tractate on Prosody. In this his object was to arouse the dormant patriotism

of his fellow-citizens and inspire them with a taste for that ancient literature which, in a city which had given birth to Seveca and Lucan, ought to have been cherished as a national heritage. The priesthood under the Visigoths thought that no flowers should be plucked or admired which had not been bedewed with the water of baptism, but Eulogius believed that in the literature of the Romans he had found a weighty counterpoise to that of the Arabs, with which the Cordovans were infatuated. It had already been his good fortune to rescue for them Latin manuscripts comprising works of Virgil. Horace, and Juvenal, which he had found in Navarre; and struck with the contempt evinced by all men of taste for rhythmical verse, he wished to instil in to his fellow-citizens the scientific rules of Latin prosody, so that they might imitate the models of the Augustan age.".

Dozy, 292-93.

مسیحیوں کی یہی غالی متعصب شوریدہ سر جماعت تھی جسکے لئے اسلامی رواداری وجہ سکون اور باعث شکر گزاری ہونے کے بجائے جھنجلاہٹ کی موجب تھی۔ جب اسے کوئی وجہ شکایت نہ ملی تو اس نے حکومت اور عوام کو تشدد پر اکسانے کیلئے برملا رسول اللہ کی شان میں گستاخی اور سب وشتم کی سوچی سمجھی تحریک کا آغاز کیا خاص طور پر نوجوان نازک اندام حسین لڑکیوں کو اس تحریک میں پیش پیش رکھا گیا تاکہ اگر ان پر تشدد ہو تو اسے اسباب سے صرف نظر کرتے ہوئے نفرت انگیز بتایا جاسکے۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے قاضیوں اور فقیہوں نے ٹھنڈے دل سے احکام شریعت کی بال کی کھال نکالی، عوام نے کبھی کبھی جوش کا مظاہرہ کیا، حکومت نے صبر وضبط کے ساتھ تعزیری کارروائی کی ' ارباب کلیسا کو سمجھایا بجھایا بھی، الغرض یہ تحریک عام نہ ہوسکی اور جب فتنہ پردازوں کا زور ٹوٹا تو ختم ہوگئی۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے :۔" جہاں جہاں موذن ایک ہی الفاظ میں اذان دیں گے،

ایک ہی صدائے بازگشت سنائی دے گی" مسلمانوں کے علوم وآداب کو بھی اذان کی صدائے بازگشت کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔ موجودہ زمانے میں مغرب کا سب سے گہرا اور مہلک اثر جو مسلمانوں پر پڑا ہے وہ ہے "جذبۂ قومیت ووطن پرستی"۔اس سے پہلے یہ تھا کہ عالم اسلام سیاسی حیثیت سے کتنی ہی حکومتوں میں بٹ جائے عام مسلمانوں کے فکر میں دنیا کے صرف دو حصے تھے: ایک دارالحرب اور دوسرا دارالاسلام — دارالاسلام، سیاسی تفرقہ کے باوجود، ایک علمی، ثقافتی، ادبی، نیز اقتصادی، تجارتی وحدت تھا۔جب تک حج کا احترام باقی تھا عام مسلمانوں کے لئے آزادئ نقل وحرکت کی ضمانت وافر تھی۔ بالخصوص علماء، شعراء ادباء، تو نہ صرف آزادی کے ساتھ ایک اسلامی ملک سے دوسرے اسلامی ملک جاتے تھے، بلکہ ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے تھے اور اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب سے نوازے جاتے تھے۔ تجارت کی بابت نقطۂ نظر یہ تھا کہ اس میں کسی ایک فریق کا نہیں بلکہ بائع ومشتری دونوں کا فائدہ ہے۔ تجارت اور صنعت حرفت میں مسلم اور غیر مسلم کی تفریق بھی روا نہ تھی۔حد یہ ہے کہ حروب صلیبیہ کے دوران بھی عیسائی اور مسلم ممالک کے درمیان کسی نہ کسی طرح، خواہ یہودیوں کی وساطت سے ہی کیوں نہ ہو، تجارتی لین دین کا سلسلہ جاری تھا۔

سارے دارالاسلام میں۔جہاں ایک ہی شریعت، ایک ہی اجتماعی نظام اور ایک ہی اقتصادی نظام رائج تھا۔علم کے منابع ومصادر بھی ایک ہی تھے :۔

قرآن، حدیث اور ان سے متعلقہ تمام دینی علوم اور عربی زبان اور اس سے متعلق علوم تو ایک تھے ہی، علوم دخیلہ کا بھی یہ تھا کہ جہاں کہیں بھی مسلمانوں نے کوئی اجنبی علم اپنے یہاں منتقل کیا وہ بہت جلد سارے عالمِ اسلامی کا مشترکہ ورثہ بن گیا۔ اندلس سے طالب علم مشرق آتے تھے، مشرق سے علماء وفن کار اندلس جاتے تھے، مشرق کے علماء کی تصانیف مشرق میں شائع ہونے سے پہلے اندلس میں شائع ہوتی تھیں۔مشرق کی تصانیف کے جواب میں اندلس کے علماء کتابیں لکھتے تھے۔

Marfat.com

پھر کیا تعجب ہے اگر عراق سے لے کر اندلس تک شعر و ادب کے قالب ہم شکل اور ہم رنگ ہوں اور ان کی روح بھی ایک ہو، اس حد تک کہ مختلف اسلامی ممالک کے ادب کی کوئی جداگانہ شخصیت پہچانی نہ جا سکے۔ احمد امین لکھتے ہیں کہ جب جامعہ مصریہ میں ہم سے "الادب المصری" پڑھانے کو کہا گیا (یہ اسی قومیت اور وطن پرستی کا شاخسانہ ہے جس کا ابھی ذکر ہوا) تو ہمیں مصری ادب کی شخصیت پہچاننے میں ایک مدت گزر گئی اور جو کچھ ہاتھ لگا وہ بہت ہی تھوڑا تھا۔[۱]

یہی حال اندلسی ادب و شعر کا ہے۔ وہ کسی بھی عرب یا عربی داں کے لئے اجنبی تو کیا، نامانوس اور دشوار بھی نہیں۔ شاعری بیشتر رومانیتکی عاطفی غنائی ہے، موضوع تقریباً یکساں ہیں۔ اسلوب اور انداز بیان بھی مشرق میں اور اندلس میں کم و بیش ملتا جلتا ہے۔ ہاں! اندلس میں تشبیہات میں تنوع اور تخیل میں توانائی پیدا ہوئی۔ کچھ نئے قالب بھی وجود میں آئے لیکن ہیئت اور وزن کے بنیادی معیار و مقیاس وہی کے وہی رہے۔ اندلس کی شاعری کی اگر کوئی نمایاں خصوصیت کہی جا سکتی ہے تو یہی کہ فطرت سے قرب اور تاثر قوی ہے۔ اس کی سب سے ترقی یافتہ شکل "تجاوب مع الطبیعہ" ہے جیسا کہ ابتدا ہی میں عبدالرحمٰن الداخل کے یہاں ملتا ہے۔ یہ وہاں کے طبعی ماحول کا فطری اثر ہے۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ اندلس کی عربی شاعری نے دو لحاظ سے آس پاس کے مقامی آداب پر گہرا اثر چھوڑا: ایک تو شعر کی ہیئت میں صوت و آہنگ کا مکمل نظام یعنی بحر اور قافیہ، دوسرے غزل کی عاطفیت یعنی جذبات کا وفور اور ان کا زور، جس کا تعلق اسلامی معاشرہ کی امتیازی شان سے ہے۔ اسلام کی رو سے عورت ایک ناگزیر شر نہیں، اس سے اجتناب کوئی نیکی نہیں، بلکہ اس کا قرب اور اس کی رفاقت محبوب ترین چیزوں میں سے ہے۔ یہ غزل کے پروان چڑھنے کی پہلی شرط ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ایک نظام اخلاق ہو جس میں "مغازلۃ" کے طور طریقے معین ہوں۔ اسی کی بدولت وہ ضبط پیدا ہوتا ہے جس سے ٹکرا کر جذبات امنڈتے ہیں۔ جب تک جذبات بندشوں میں جکڑے نہ ہوں زور

---

[۱] ظہر الاسلام ۳/۲۷۔

نہیں پکڑتے ۔ پھر یہی اخلاقی نظام عورت کی انفرادیت، اس کی مرضی اور ارادہ کے احترام اور اس کی نزاکت کی قدر شناسی کی بھی ضمانت فراہم کرتا ہے ۔ فروسیّت (chivalry) اور ناز و نیاز کی ساری قدریں اسی سے پیدا ہوتی ہیں اور یہ سب قدریں اسلامی معاشرہ میں یکجا ہوتی ہیں ۔ اباحت اور لذت پرستی کی فضا میں غزل کے لطیف جذبات پرورش نہیں پا سکتے ۔ آس پاس کے علاقوں، بالخصوص جنوبی فرانس (Provence) کے شاعروں نے اپنے عاطفی نغموں اور رومانی گیتوں میں بڑے شوق سے عربی غزل کی تقلید کی[۵]۔

---

[۵] The Legacy of Islam, P. 183-185

Marfat.com

حصّہ عربی

اندلس کی مستند عربی تاریخوں سے اقتباسات

مآخذ

أعمال الأعلام، تصنیف لسان الدین بن الخطیب، تحقیق لیفی بروفنسال، بیروت، ۱۹۵۶ م۔

ابن الابار القضاعی: الحلۃ السیراء تحقیق الدکتور عبداللہ انیس الطباع بیروت

عبدالواحد المراکشی: المعجب فی تلخیص اخبار المغرب، القاہرہ ۱۹۴۹م

ابن عذاری المراکشی: البیان المغرب، الجزء الثانی، نشر کولان ولیفی پروفنسال (G. S. Colin & Levi-Provencal) لیدن، ۱۹۵۱ م۔

ابن القوطیہ: تاریخ افتتاح الاندلس نشر عبداللہ انیس الطباع، بیروت، ۱۹۵۷م

نفح الطیب للمقری، الطبعۃ الازہریۃ المصریۃ، ۱۳۰۲ھ

Marfat.com

Marfat.com

(١)

" أيّها الناسُ ! أين المفرّ؟ البحرُ من ورائكُم، والعدوُّ أمامكم، وليس لكم - والله - إلّا الصّدقُ والصّبر، واعلَموا أنّكم في هذه الجزيرة أضيَعُ من الأيتام، في مأدُبة اللّئام، وقد استقبلكم عدوُّكم بجيشه وأسلحته، وأقواته موفورةٌ، وأنتم لا وَزَرَ[1] لكم إلّا سيوفكم، ولا أقواتَ لكم إلّا ما تَستخلِصونه من أيدي عدوِّكم، وإن امتدّت بكم الأيامُ على افتقاركم ولم تُنجِزوا لكم أمراً ذهب ريحُكم وتعوّضتِ القلوبُ من رُعبها منكم الجرأةَ عليكم، فادفعوا عن أنفسكم خِذلان هذه العاقبة من أمركم بمُناجَزة هذا الطّاغية، فقد ألقتْ به إليكم مدينتُه الحصينة، وإنّ انتهاز الفرصة فيه لممكنٌ إن سَمَحتم لأنفسكم بالموت، وإنّي لم أحذِّركم امراً أنا عنه بنجوَةٍ، ولا حمَلتُكم على خطّة أرخصُ متاعٍ فيها النّفوسُ

---

[1] الوَزَر = الملجأ.

اَبدَاً بنفسی، واعلموا انّکم ان صبرتم علی الاَشَقّ قلیلاً استمتعتم بالاَرفہِ الاَلذّ طویلاً ، فلا ترغبوا بانفسکم عن نفسی، فما حظّکم فیہ باوفی من حظّی ، وقد بلغکم ما انشأت ھذہ الجزیرۃ من الحُور الحسان من بنات الیونان، الرّافلات فی الدُّرّ والمَرجان ، والحُلَل المنسوجۃ بالعِقیان[1]، المقصورات فی قصور الملوک ذَوِی التِیجان ، وقد انتخبکم الولیدُ بن عبد الملک امیر المومنین من الاَبطال عُربانا ، ورضیکم لملوک ھذہ الجزیرۃ اصھاراً واختانا، ثِقۃً منکم بارتیاحکم للطِعان، واستماحکم بمُجالدۃ الابطال والفرسان، لیکونَ حظّہ منکم ثواب اللہ علی إعلاء کلمتہ واظہار دِینہ بھذہ الجزیرۃ، ولیکون مَغنمُھا خالصۃً لکم من دونہ ومن دون المومنین سواکم ، واللہُ تعالی وَلِیُّ اِنجادکم[2] علی ما یکون لکم ذِکراً فی الدّارَین، واعلموا اَنّی اوّلُ مجیبٍ اِلی ما دعوتُکم الیہ، وانّی عند مُلتقیَ الجَمعَین حامِلٌ بنفسی علی طاغیۃ القوم لُذرِیق فقاتِلُہ ان شاء اللہ تعالی، فاحملُوا معی ، فانْ هلکتُ بعدَہ فقد کفیتُکم اَمرَہ ، ولم یُعوِزکم بطلٌ عاقلٌ تُسنِدون اُمورَکم الیہ، وان ھلکتُ قبلَ وصولی الیہ فاخلفُونی فی عزیمتی ھذہ واحمِلوا بانفسکم علیہ وَاکتفوا الھمّ مِن ھذہ الجزیرۃ بقتلہ فانّھم بعدہٗ یَخذُلون"

---

(۲)

من قصیدۃٍ قالھا طارق فی الفتح :۔

---

[1] العقیان = الذھب الخالص۔

[2] انجاد = اعانۃ۔

Marfat.com

رَكِبْنا سَفيناً بالمَجازِ مُقَيَّراً | عَسَى ان يكونَ اللهُ مِنّا قدِ اشْتَرَى
نُفُوساً واموالاً واهلاً بجنّةٍ[له] | اذا ما شْتَهَيْنا الشيءَ فِيها تَيَسَّرا
ولسنا نُبالي كيف سالَتْ نفوسُنا | اذا نحنُ اَدْرَكْنا الّذي كان اَجْدَرا

(٣)

ولاية عبدالعزيز بن موسٰى بن نُصَيْر

وَاستَخْلَفَ موسى على الاندلس ابنَه عبدَ العزيز، وترك معه حبيبَ بن أبي عَبْدَةَ بن عُقبةَ بن نافع وزيرًا له ومُعِينا. وأقام معهما بالاندلس من أرادَ سُكْناها. فلمّا وصلَ موسى الى إشبيليةَ أقرَّ فيها ولَدَه؛ فارْتَضاها قاعدةَ مُلكِه؛ وتزوَّجَ بعد خروج أبيه امَّ عاصمٍ امرأةَ رُذَريق (واسمها أيْلُه) وسكن معها باشبيليةَ. فلمّا دخل بها، قالت له:- "انّ الملوك اذا لم يُتَوَّجوا، فلا مُلْكَ لهم! فلو عملتُ لكَ ممّا بَقِيَ عندي من الجوهر والذهب تاجًا؟" فقال لها: "ليس ذٰلك في ديننا" فقالت له: "ومن أين يَعْرِفُ أهلُ دينك ما أنت فيه في خَلْوتك؟" فلم تزَلْ به حتّى فعل. فبينما هو ذات يوم جالسٌ معها، والتاج على رأسه، إذْ دخلَتْ عليه امرأةٌ كان قد تزوَّجها زيادُ بن نابغة التميميُّ، من بنات ملوكهم؛ فعايَنَتْه، والتاج على رأسه؛ فقالت لزياد: "ألا أعمل لك تاجا؟ فقال لها: "ليس في ديننا استحلالُ لباسه!" فقالت له: "ودينِ المسيح! إنّه على رأس مَلِكِكُم وامامِكم!" فأعلَمَ بذلك زيادٌ حبيبَ بن ابي عَبْدَة؛ ثم تحدَّثا بذلك حتّى عَلِمه خِيارُ الجند؛ فلم يكن لهُمّ الّا كشف

[له] يشير الى قوله تعالى: "انّ الله اشترى من المومنين انفسهم واموالهم بانّ لهم الجنّة" التوبه ١١١.

Marfat.com

ذلك، حتى رأوه عِياناً. فقالوا " قد تنصّر" ثم هجموا عليه، فقتلوه. وأكثرُ النّاس على انّ هذه الحكايةَ لا تصِحّ، وانّما قتلوه بأمر سليمانَ لهم بذلكَ اذ نَكَبَ والِدَه۔

ابن عذاری المرّاكشی ۲/۲۳ - ۲٤ -

(٤)

دولة بنی مروان بالمشرق

قال ابومحمّد بن حزم: وانقطعت دولةُ بنی مروان بالمشرق بمروان بن محمّد الجَعْدِیّ. وكانت على عِلاّتها دولةً عربيّةً، لم يتّخِذ ملوكُها قاعِدةً لأنفسهم، انّما كان سُكنىَ كلّ اميرٍ منهم فی دارهٖ وضَيعته اللتين كانتا له قبل الخلافة، ولا أكثروا احتجانَ الأموال، ولا بناءَ القصور، ولا طلبوا مخاطبةَ النّاس لهم بالعبوديّة والمُلكِ، ولا تقبيلَ ارضٍ، ولا يدٍ، ولا رِجلٍ؛ إنّما كان غرضهم الطاعة الصحيحة والتولية والعزل فی أقاصی بلاد الدنيا؛ فكانوا يعزلون العُمّال، ويُولّون الآخَرَ فی السند والهند، وفی خراسان، وفی إرمينيّة، وفی العراق، وفی اليمن، وفی المغرب الادنىَ والاقصی وبلاد السُّوس وبلاد الاندلس؛ وبعثوا اليها الجيوشَ، وولّوا عليها من ارتضوا من العُمّال، وملَكوا اكثر الدُّنيا۔ فلم يملِكْ احدٌ من ملوك الدنيا ما ملكوه من الارض، الى أن تغلّبَ عليهم بنو العبّاس بالمشرق، وانقطع بها مُلكهُم۔ فسار منهم عبدُ الرحمٰن بن معاوية الى الاندلس، وملَكها هو وبَنُوه، وقامت بها دولةُ بنی اميّة نحوَ الثلاثمائة سنةٍ ۔ فلم يكُ فی دُوَل الاسلام أنبلُ منها، ولا اكثر نصراً على اهل الشرك، ولا اجمعُ لخِلالِ الخير؛ وبهَدْمِها

انهدمت الاندلس الی الآن، وذهب بهاءُ الدنیا بذهابها۔

ابن عذاری المراکشی ۲/۳۹۔

---

(۵)

قال عبدالرحمٰن بن معاویۃ :۔

یانخلُ انتِ غریبۃٌ مِثلی — فی الغرب نائیۃٌ عن الاصل
فابکِی، وھل تبکِی مکمّمۃٌ — عجماءُ لم تُطبَعْ علی خَبَلِ ؟
لو انّھا تبکِی، اذاً لبکت — ماءَ الفرات ومَنبِتَ النّخلِ
لکنّھا ذھلت، واذھلنی — بُغضِی بنی العبّاسِ عن أھلی

(الحلۃ السیراء ۱/۳۷)

---

(۶)

وحکی عیسی بن احمدَ الرّازیّ انّ عبدالرحمٰن بن معاویۃ۔ اولَ نزولہ مُنیۃَ الرّصافۃ بقُرطُبۃ واتّخاذِہ لھا۔ نَظَرَ الی نخلۃ مفردۃ، فھاجت شَجَنَہ وتذکّرَ بلدَ المشرق فقال بدیھًا :۔

تبدّتْ لنا وَسْطَ الرُّصافۃِ نَخلۃٌ — تَنَاءَتْ بأرضِ الغربِ عن بلدِ النّخلِ
فقلتُ شبیھی فی التّغرُّبِ والنّوی — وطُولِ التّنائِی عن بَنِیّ وعن اَھلی
نَشأتِ بأرضٍ انتِ فیھا غریبۃٌ — فمِثلُکِ فی الاقصاءِ والمُنتأی مِثلِی
سَقَتکِ غوادی المُزنِ مِن صَوبِھا الّذی — یسُحُّ ویَستَمرِی السِّماکَینِ بالوَبلِ

(۷)

قال مُطیع بن ایاس :۔

لہ الکمامۃ : غلاف الزھر والثمر؛ وایضا مایکمّ بہ فم الحیوان لئلا یعضّ اویأکل۔

Marfat.com

أسعِدانى يانخلتى حُلوان وابْكِيالى من ريبِ هذا الزمانِ
واعلَما انّ رَيبَه لم يزلْ يفـــرِقُ بين الالّافِ والجيرانِ
ولعمرِى لوذُقتمُا ألَمَ الفُرْ قة أبكاكما الّذى أبكانى
أسعِدانى وأيقِنا أنّ نحسًا سوف يلقاكما فتفترِقانِ
كم رمتنِى صروفُ هذِى اللّيالى بفراقِ الأحبابِ والخُلّان
غيرأنّى لم تلق نفسى كما لا قَيتُ من فرقةِ ابنةِ الدُّهْقان
جارةٌ لى بالرّيّ تُذهِبُ همّى ويُسلّي دُنُوُّها أحزانى

.... الخ

(الاغانى)

---

(۸)

ومن شعرعبد الرحمٰن بن معاوية يتشوّقُ معاهِدَه بالشّام:۔

أيّها الرّاكبُ المُيمّمُ أرضى إقرَمِن بعضِيَ السّلامَ لِبعضِ
انّ جِسْمى كماعلمتَ بأرضٍ وفؤادى ومالِكيه بأرضِ
قُدِّرَالبينُ بيننا فافترقنا وطوى البَينُ عن جُفونى غُمضى
قدقضَى اللهُ بالفِراق علينا فعسَى باجتماعنا سوف يَقضِى

(الحلّة السيراء ۱/۳٦)

---

(۹)

ومن شعره (عبدالرحمٰن الداخل) البديع الرّائق، ماكتبَ به الى بعض من طرأعليه من قريش، وكان قد استقلّ جِرايتَه، واستطال بقرابته، وسأل الزّيادةَ له والتوسعةَ، فكتبَ اليه بهذه الابيات:۔

Marfat.com

شتّان مَن قام ذا امْتعاضٍ — فنشالَ مَا قلَّ واضمحلاَّ
ومَن غدا مُصلِتاً لعزمٍ — مجرِّداً للعُداةِ نَصْلا
فجابَ قَفراً، وَشقَّ بحراً — مُسامِياً لُجَّةً ومَحْلا
نشادَ مَجداً وبزَّ مُلكاً — ومِنبراً للخطاب فَصْلا
وجنَّدَ الجندَ حين أوْدَى — ومصَّرَ المصرَ حين أجْلا
ثمّ دعا أهلَه جميعاً — حيثُ انتأَوا، أنْ: هَلُمَّ أهْلاَ
فجاءَهذا الطريدَ جُوعٍ — شَريدَ سيفٍ أُبيدَ قَتْلا
فنال أمْناً ونال شَبعاً — وحازَ مالاً، وضمَّ شَمْلا
ألم يكن حقُّ ذا على ذا — اعظمَ من مُنعمٍ ومولىً؟

(١٠)

وذُكِرانّ اباجعفرالمنصورَ قال يوماً لبعض جُلَسائه، " أخبِروني مَن صَقرُقريشٍ من الملوك؟" قالوا:" ذالك اميرُالمومنين الّذى راضَ الملوكَ، وسكّنَ الزّلازِلَ، وأبادَ الأعداءَ، وحسمَ الأدْواءَ" قال:" ماقُلتم شيئاً " قالوا" فمعاويةُ؟ قالَ" لا" قالوا" فعبدالملك بنُ مروان؟" قال:" ماقلتم شيئاً " قالوا" يا اميرالمومنين! فمَن هو؟" قال:" صقرُقريش عبدُالرحمٰن بن معاوية، الذى عَبَرَالبحرَ، وقطعَ القفرَ، ودخل بلداً أعْجَمِيّا، منفرِداً بنفسه، فمَصَّرَ الامصارَ، وَجنّدَ الاجناد، ودَوَّنَ الدّواوينَ واقامُ ملكاًعظيما بعد انقطاعِه، بحُسْنِ تدبيره، وشِدّة شكيمته. إنّ معاويةَ نهض بمَركبٍ حَمَلَهُ عليه عُمَروعثمان، وذَلّلا له صَعْبَه؛ وعبدَالملك ببيعةٍ أُبْرِم عَقْدُها؛ واميرالمومنين بطلب عِترته، واجتماع شِيْعتِه. وعبدالرحمٰن منفردٌ بنفسه،

---

[١] شال = رَفعَ؛ اخَذَ۔

Marfat.com

مؤیّدٌ برأیہ، مُستصحِبٌ لعزمہ، وطّدَ الخلافۃَ بالاندلس، وافتتحَ الثغور، وقتلَ المارقین، واَذلَّ الجبابرۃَ الثائرین!"
فقال الجمیعُ: "صدقتَ، واللہِ، یا امیرالمؤمنین!"

(ابن عذاری المراکشی ۲/۵۹-۶۰
والحلّۃ السّیراء ۱/۳۹-۴۰)

---

(۱۱)

وکان ھِشامُ الرّضیٰ من ائمّۃِ العدلِ، وبمنزلۃ عمربن عبدالعزیز فی قومہ بالاندلس. تولّیٰ بناء القنطرۃ العظمیٰ بقرطبۃ بنفسہ، وتُعطی الاجرۃ بین یدیہ وانفقَ فیھا اموالاً عظیمۃ وحکیٰ ابنُ وضّاح انّہ ذُکرلہ انّ النّاس یقولون انّما بناھا لتَصیُّدِہ ونُزھتہ، فحلفَ، لمّا بلغَہُ ذٰلک، أن لا یجوز علیھا الاّ لغزوٍ فی سبیل اللہ أومَصلحَۃ۔
قال لسانُ الدّین بنُ الخطیب:- ھکذا شأنُ الناس مع ارباب الدول، ان بنیٰ قنطرۃ، .... قیل: بَناھا لِلَھْوِہ وصَیْدِہ، ولوکان ذٰلک، فلیتَ شِعری ایُّ شیٔ کان یُعوزُھم من منفعتھم بھا وھَلاّ دَعَوالہ ان یُھنئہُ اللہُ نُزھتہ وصیدَہ اذکانا شاغِلَین فی بناءھا لھم۔ ولولم یَبْنِھا، لم یَسْلَم من حَمْلِھم لاَجْل ترکھا. فانّا لِلّٰہِ من الناس! وما أشبہَ حالَ صاحب الدّولۃ بحال الابن والاب والحمار، لافارقَ: ذکروا انّ رجلاً خرج ھو وابنہ ولھما حمارٌ یرکبُہُ الرّجلُ وابنُہ خلفہ، فسمعَ النّاسَ یقولون:-
"ما اَعْظمَ جَفاءَ ھٰذا الشّیخ واَقلَّ حیاءہ! رکِبَ ھو وابنہ حماراً ضعیفا؛ فھلاّ نزلَ وخفّفَ عنہ!" فنزل عن الحمار وترک

Marfat.com

عليه الولدَ، فسمِعَ النّاسَ يقولون: "أتَرْكَبُ ابنَه القادرَ على المشيَ وتركَ نفسَه مع الضُّعفِ! والشيخُ يطارِحُ الولدَ سوءَ الأدبِ وسوءَ المعاملة!" فأنزلَ الولدَ وركبَ فسمعَ النّاسَ يقولون: "ولدٌ صغيرٌ آثرَ نفسَه عليه، وتركَه يتعبُ دونه ولم يرحَمْهُ!" فنزلَ وتركَ الحمارَ خالياً ظهرُه، فسمِعَهم يقولون: "حمارٌ يسيرُ بطّالاً، وشيخٌ وصغيرٌ خلفَه: قد حرَمَ هذا الشيخُ نفسَه وابنَه حرصاً وصوناً للحمار! فعلَ الله به وصنع!" فقال: "يا وَلَدِي! حِرْنا مع هؤلاء، لم يُخلِصْنا معهم شئٌ، والحقُّ أن نعملَ ما يظهرُ لنا ولا نلتفتَ اليهم!"

(اعمال الاعلام ۱۲-۱۳)

(۱۲)

وكان لبعض رجالِ هشامٍ خصومةٌ في دارٍ عند القاضي مُصعَب بن عِمران، فسجّلَ عليه القاضي فيها وأخرجَه منها؛ فنهضَ الرّجلُ الى هشام وقال له: "انّ القاضيَ سجّلَ عليَّ في داري التي كنت اسكنُها، واخرجَني عنها!" فقال هشامٌ: "وماذا تريدُ منّي؟ والله لو سجّلَ عليَّ القاضي في مَقعَدِي هذا، لخرجتُ عنه!" انقياداً منه للحقِّ - رحمة الله عليه!

(ابن عذاری المراکشی ۲/۶۶)

(۱۳)

ويُروَى انّ رجلاً يُعرف بالهُوّارِي دخل على هشام في حياة أبيه عبد الرحمٰن بن معاوية - وهو مُرَشَّحٌ للخلافة - فقال له انّ فلاناً مات عن ضَيعة تَعودُ بكذا وكذا من الغَلّة،

سلّه طارحه - ناظره وجاوبه -

Marfat.com

وانّها تُباع فى دَينٍ اوعن وصية ، وهى ناعمةٌ مُثمِرة وطيّبةُ الارض مُخْصِبة، وحصّنه على اشترائها، فقال له : " انا اُريدُ امراً إن بلغتُه غَنيتُ عنها، وان قُطِع بى دونه خسِرتُها ؛ ولَا ضطِناعُ رجلٍ احبُّ الىّ من اكتسابِ ضَيعة " فقال الهوّارى، " فاصْطَنِعْنى بها تجِدْ اكرمَ مُصطنَع " فامر بابتياعها (له) ، فأشار بعضُ من حضَرَ الى ان الاستعداد بالمال أعوَنُ على دركِ الآمال، فأطرق عنه ثم قال :-

البذلُ ـ لا الجمعُ ـ فطرةُ الكرمِ ... فلا تُرِدْنِى مالم تُرِد شِيَمى
ما انا من ضيعة وان نَفُسَتْ؟ ... حَسْبِىَ اصْطناعُ الأحرارِ بالنِّعَمِ
مُلْكُ الوَرَى، والعبادِ قاطبةً ... لا مِلْكُ بعضِ الضِّياعِ من هِمَمى
تفيضُ كفّى فى السِّلمِ بحرَ نَدَى ... وفى سِجالِ الحُروبِ بحرَ دمِ
تَزِلُّ عن راحتى البُدورُ، وما ... تُمسكُ غيرَ الحُسامِ والقلمِ

(الحلّة السيراء ١/٤٢-٤٣)

(١٣)

وفى ايامه (الحكَم الرّبَضىّ) اَحْدَثَ الفقهاء انشادَ اشعارِ الزُّهد والحضّ على قيام الليل فى الصّوامع، اعنى صوامع المساجد، وأمَرُوا ان يَخلِطوا مع ذلك شيئاً من التّعريض به، مثل ان يقولوا :-
"يا ايّها المُسرِفُ المُتمَادِى فى طُغيانه، المُصِرُّ على كبره، المتهاونُ بأمرِ ربّه، اَفِقْ من سَكرتك، تَنبّهْ من غفلتك ...."
وما نحا هذا النّحوَ ؛ فكان هذا من جملة ما هاجه وآوغرَ صدرَه عليهم، وكان اشدّ النّاس عليه فى هذه الفتنة الفقهاءُ هم الذين كانوا يُحرِّضون العامّةَ ويُشَجِّعونهم، الى ان كان من امرهم ما كان ـ (المُعجِب ٢٠)

Marfat.com

(١٥)

كان من نوادر ذلك اليوم (وَقعة الرَّبَض) المأثورة مثلاً في هَيْج الرَّعاع، أنّ حَدّاداً كان بين يديه صَبِيٌّ يسوقُ الكِيرَ، وأبصرَ اجتماعَ الناس وحضورَهم في الاسلحة؛ فقال: ومن رئيسُهم؟ فقيل: "ليس لهم رئيسٌ" فقال للصَّبي: "يا صَبيّ، حَرّك الكِيرَ واعْمَلْ عملك؛ فانّ هولاء لايكون منهم شيءٌ!"۔

(اعمال الاعلام ١٥-١٦)

(١٦)

الفقيه المحدّث يحيى بن يحيى اللّيثيّ راوي الموطّا عن مالكٍ رضي الله تعالى عنه، ويقال انّ اصله من برابر مَصْمودة، وحُكي انّه لما ارتحلَ الى مالك ولازمه فبينما هو عنده في مجلسه مع جماعةٍ من أصحابه اذ قال قائلٌ: حضرَ الفيلُ، فخرج أصحابُ مالك كلّهم ولم يخرج يحيى، فقال له مالكٌ: مالَكَ لَمْ تخرج؟ وليس الفيلُ في بلادك، فقال: انّما جئتُ من الاندلس لأنظرَ اليكَ وأتعلّمَ من هَدْيك وعلمك ولم آتِ لأنظرَ الى الفيل، فأُعجِبَ به مالكٌ وقال: هذا عاقلُ الاندلس۔

(نفح الطيب ١/ ٣٢٨)

(١٧)

كان مِن أشدّ الناسِ على الحكمِ الرَّبَضيّ تحريضًا، رجلٌ من الفقهاء اسمُه طالوتُ، كان جليلَ القَدْرِ في الفقهاء، رحَلَ الى المدينة وسمِعَ من مالك بن أنس وتفقّهَ على اصحابه، وكان قويّا في دينه؛ فلمّا أوقعَ الحكمُ باهل الرّبض وأمرَ بتغريب من بَقِيَ منهم، كان ممّن أمَرَ بتغريبه طالوتُ الفقيهُ، فعسُر عليه الانتقالُ ومفارقةُ الوطن،

Marfat.com

ورأى الاختفاءَ الى ان تتغيّرَ الاحوالُ، فاستخفى فى دارِ رجلٍ يهودىّ سنةً كاملةً، واليهودىُّ فى كلّ ذلك يُكرِمُه أبلغَ الكرامة، ويُعظِّمُه اشدَّ التعظيم؛ فلما مضت السنةُ طالَ على الفقيه الاختفاءُ، فاستدعى اليهودىَّ وشكرَه على احسانه اليه وقالَ له: قد عزمتُ غداً على الخروج وقَصْدِ دارِ فلانٍ الكاتب (ابى البسّام الكاتب، وزير الحكَم)، لانّه قرأ علىَّ ولى عليه حقُّ التعليمِ وقد بلغنى انّ له جاهاً عند هذا الرجل، فعسى هو يَشفعُ لى عنده فيُؤمِّنُنى ويدَعُنى فى بلدى؛ فقال له اليهودىُّ: يا مولاىَ، لا تفعلْ، فما آمَنُهم عليك! وجعلَ يَحلِفُ له بكل يمينٍ يعتقدُه، انّه لو اقام عنده بقيّةَ عُمُرِه ما أملّه ذلك ولا ثقُل عليه؛ فأبىَ الّا الخروجَ، فخلّى بينه وبين ذلك؛ فخرجَ حتّى اتى دارَ ذلك الكاتب بغَلَسٍ، فاستأذنَ عليه فأذِنَ له، فلمّا دخلَ عليه رحّبَ به وأدْنَى مجلسَه، وسألَه أين كان فى هذه المدّة؟ فقصَّ عليه قِصّتَه مَعَ اليهودىّ، ثم قال له: اشفع لى عند هذا الرجل حتّى يُؤمِّنَنى فى نفسى ويمُنّ علىَّ بتركى بلدى؛ فوعدَه بذلك، وركِبَ من فوره ودخلَ على الحكَمِ، فقال له كلَّ ما سمِعَ من طالوت، ووَشَى به اليه؛ فأحضرَه الحكَمُ اليه فعنّفَه ووبّخَه، فقال له طالوت: كيف يَحِلُّ لى أن اخرجَ عليك وقد سمعتُ مالكَ بن أنس يقول: "سلطانٌ جائرٌ مدّةً خيرٌ من فتنةٍ ساعة"؟ قال الحكَمُ: اللهَ تعالى! لقد سمعتَ هذا من مالكٍ؟ قال طالوت: أللهُمَّ انّى قد سمعتُه. قال: فانصرِفْ الى منزلك وأنتَ آمِنٌ. ثم سالَه اين استتَرَ، فقال عند يهودىٍّ مدّةَ عام، ثم إنّى قصدتُ هذا الوزير فغدَرَ بى! فغضِبَ الحكم على أبى البسّام وعزلَه عن وزارته وكتبَ عهداً الّا يَخْدِمَه ابداً،

فرُ ؤِىَ ابو البسّام الكاتبُ بعد ذلك فى فاقةٍ وذُلٍ، فقيل استُجيبت فيه دَعوةُ الفقيه طالوت رحِمَہُ الله تعالىَ۔

(المعجب ٢١-٢٢)

(١٨)

ولَم ينَل الحكَمُ بعد وقِيعةِ الرّبَض حَلاوةَ العَيشِ، وامتُحِن بعلّةٍ صَعْبةٍ طاولتہ أربعةَ اعوام، فلّت غَرْبہ[١] واَطالت ضَناہُ، واحتجبَ فيها آخرَمُدّتہ واستَنابَ ولَدَہ عبدَ الرّحمٰن فى تدبير مُلكہ، فمات على توبةٍ من ذنوبہ ونَدَمٍ على ما اقترفَ منها بين صلاتى الظُّهرِ والعصرِ من يوم الخميس لأربعٍ بقين من ذى الحجّة سنة سِتّ ومائتين۔

ومن شعرہ فى ذلك يُعذِر نفسَہ بالدّفاعِ عن مُلكہ والحماية لسلطانہ، وهو من أحسن شعرٍ قيل فى معناہ:-

رأبتُ صُدوعَ الأرضِ بالسَّيفِ راقِعا
وقِدْماً لأمتُ الشَّعْبَ مذكنتُ يافعا
فسائِل ثُغُورى، هل بها اليوم ثغرةٌ
أُبادرُها مُستَنضِىَ السَّيف دارِعا
وشافِہْ على الارضِ الفَضاءِ جَماجِماً
كأَقحافِ شِريانِ الهَبِيد[٢] لَوامِعا
تُنبِّئك اَنّى لَم اَكن فى قِراعِهِم
بِوانٍ وقِدْماً كنتُ بالسَّيف قارِعا

---

[١] فلّ غربہ اى كفّ من حدّتہ۔

[٢] القِحفُ بالكسرالقدَح والشِّريان شجرالقسى والهبيد الحنظل۔

وإنّي اذا حادُوا حِذارًا عن الرّدَى
فلستُ أُحاحيدٍ عن الموتِ جازِعا
حَمَيتُ ذِماري فانتهكتُ ذِمارَهم
ومن لا يُحامي ظلّ خزيان ضارِعا
ولمّا تساقَينا سِجالَ حروبنا
سقيتُهم سَجْلاً من الموت ناقِعا
وهل زادتُ أن وفّيتُهم صاعَ قرضِهم
فلاقوا منايا قُدّرت ومصارِعا
فهاك بلادي إنّني قد تركتُها
مِهادًا، ولم أترك عليها منازِعا
قال عبّاسُ بن ناصح: لوانّ الحكَمَ يخشَى للخصومة بينه وبين أهل الرّبض لقام بعذره هذا البيت:-

وهل زادتُ أن وفّيتُهم صاعَ قرضِهم
فلاقوا منايا قُدّرت ومصارِعا"

(١٩)

وله في النسيب:-

ظلّ من فرْطِ حبّه مَمْلوكا ... ولقد كان قبلَ ذاك مَليكا
إن بكَى، اوشكا الهوَى زِيدَ ظُلمًا ... وبِعادًا يُدنِي حِمامًا وَشيكا
تركَتْه جآذِرُ القصرِ صَبًّا ... مُسْتهامًا على الصّعيدِ تَرِيكا
يجعلُ الخدّ واضِعًا فوقَ تُرْبٍ ... لِلّذي يجعلُ الحريرَ أرِيكا
هكذا يحسُنُ التذلّلُ في الحـُبِّ اذا كان في الهوىَ مملوكا

(الحلة السيراء ١/٤٦-٤٩)

وكانت خلافته (عبد الرحمن بن الحكم) إحدى وثلاثين سنةً وثلاثةَ اشهرٍ وستةَ ايّام وكان فصيحاً مُفوّهاً شاعراً، معسَعَةِ العلم والحِلم وقِلّة القَبول للبَغْي والسّعايات. وهو الّذى استكمَلَ فخامةَ المُلك بالاندلس، وكسا الخلافة أُبّهةَ الجلالة. وظهر فى ايامه الوزراءُ والقوّادُ واهلُ الكُوَر، وشيّدَ القصورَ وجلبَ المياهَ من الجبل، وبنى الرّصيفَ على الوادى؛ وهو القائلُ متشوّقاً ومفتخراً :-

(٢٠)

فقدتُ الكَرَى[١] مُذ فقدتُ الحبيبا ... فما أُقطعُ اللّيلَ الّا نَحِيبا
وإمّا بدَتْ لى شمسُ النّها ... رِ طالعةً ذكّرَتْنى " طَرُوبا"
فيا طولَ شوقى الى وَجهِها ... ويا كَبِداً اَورثتْها نُدُوبا[٢]
ويا اَحسنَ الخَلقِ فى مُقلَتَىَّ ... واَوفرَهم فى فُؤادِى نصيبا
لئِن حالَ دُونكِ بُعدُ المَزا ... رِ من بعد اَنْ كنتِ منّى قريبا
لقد اَورثَ الشّوقُ جسمى الضَّنَى ... واَضرَمَ فى القَلْب منّى لهيبا
عَداِنى عنكِ مَزارُ العِدا ... وقَوْدِى اليهم لُهاماً مَهيبا
وكائِن تخطّيتُ من سَبْسَبٍ ... وجاوَزْتُ بعدَ دُروبٍ دُرُوبا
اُلاقِى بوجْهِى حَرَّ الهَجِير ... اذا كاد منه الحصَى ان يَذوبا
واُدّرِعُ النّقْعَ حتى لَبِسْتُ من بعدِ نَضْرَةِ وَجهى شُحُوبا
اُرِيدُ بذاكَ ثَوابَ الإلٰه ... ومَن غَيرَه اَبْتَغيهِ مُثيبا
بىَ ادّارَكَ اللهُ دِينَ الهُدَى ... فأحيَيْتُه واصطلَمْتُ[٣] الصّليبا

---

[١] الاصل: " الهوى"

[٢] آثار الجراح

[٣] اصطلم: استأصل

Marfat.com

سَمَوتُ الى الشِّرك فی جَحْفَلٍ ملأتُ الحُزُونَ بہ والسُّهوبا

---

(٢١)

ولہ ایضا فی النسیب :-

قَتَلتَنی بَهَواکا وما أُحِبُّ سِواکا

مَن لی بِسِحْرِ جُفونٍ تُدیرُہ عیناکا

وحُمرةٍ فی بیاضٍ تُکسَی بہ وَجْنَتاکا

إعطِفْ علیَّ قلیلا واَحْیِنی برِضاکا

فقد قَنِعتُ وحسْبی بأن أَرَی من رآکا

(الحلّة السیراء)

---

(٢٢)

ومن قول الامام عبد الرحمٰن - رحمہ الله - یَصِفُ حَالَ المعزول، فأبدَعَ :-

أرَی المرءَ بعد العَزْلِ یَرجِعُ عقلُہ وقد کان فی سلطانہ لیس یعقِلُ

فتُلْفِیہ جَهْمَ الوَجْہِ ما کان والِیا ویسهُلُ عنہ ذاک ساعةَ یُعزَلُ

(ابن عذاری ٢/٩٣)

(٢٣)

ومن شعرہ :-

ولقد تعَارَضُ اَوْجُہٌ لأَوامرٍ فیَقودُها التَّوفیقُ نحوَ صوابِها

والشَّیخُ اَنْ یَحْوِ النُّهَی بتجاربٍ فشبابُ رأیِ القوم عند شبابِها

(اعمال الاعلام ١٩)

ولمّا وَفَدَ علی السُّلطان عبدِ الرحمٰن رُسلُ مَلِکِ المجوس

Marfat.com

تطلبُ الصُّلحَ بعد خروجهم من إشبيلية، وإيقاعِهم بجهاتها ثُمّ هَزيمتِهم بها، وقَتْلِ قائِدِ الاسطول فيها، رأى ان يُرَاجعَهم بقبول ذلك، فأمرَ الغزَالَ ان يمشيَ فى رسالته مع رُسُل مَلِكِهم، لما كان الغزالُ عَلَيه من حِدّة الخاطــر، وَبديهةِ الرَّأىِ وحُسْنِ الجواب والنجدةِ والإقدام والدُّخولِ والخروج من كُلّ بابٍ وصُحْبَتَه يحيى بن حبيب، فنهض الى مدينة شِلْب، وقد أُنشِئَ لهما مركبٌ حسنٌ كاملُ الآلة، وَرُوجِعَ ملكُ المجوس على رسالته وكُوفِئَ على هَدِيّته ....

وتقدَّمَ مركبُ المجوس الى مَلِكِهم، فأعلَمَه بلحاق الرُّسُلِ معهم، فسُرّ بذلك ووجّهَ فيهم، فمشَوا اليه الى مُستقَرّ مُلكه، وهى جزيرة عظيمة فى البحر المحيط، فيها مياهٌ مُطّرِدة وجَنّات، وبينها وبين البرّ ثلاثُ مجارٍ، وهى ثلاثمائة ميلٍ، وفيها من المجوس مالا يُحصَى عددُهم. وتَقرُبُ من تلك الجزيرة جزائرُ كثيرةٌ، منها صغارٌ وكبار، أهلها كلّهم مجوس، وما يَلِيهم من البَرّ أيضا لهم مسيرة ايام، وهم مجوسٌ، وهم اليوم على دين النصرانية وقد تركوا عبادةَ النّار، ودينهَم الّذى كانوا عليه، ورجعوا نصارَى إلّا اهلَ جزائرَ منقطعةٍ لهم فى البحر هم على دينهم الاوّلِ من عبادة النّار، ونكاحِ الأمّ والاختِ وغيرِ ذلك من اصناف الشّنَار[١]. وهولاءِ يُقاتلونهم ويَسْبُونَهم. فأمرلهم الملكُ بمنزلٍ حَسَنٍ من منازلهم، واخرجَ اليهم مَن يلقاهم، ....

(٢٤)

واحتفلَ المجوسُ لرؤيتهم. فرأوا العَجَبَ العجيبَ من اشكالهم وأزيائهم. ثمّ انّهم أُنزِلوا فى كرامة، وَاقاموا يومَهم ذلك، واشتدَّ عام

[١] الشّنار: العيب والعار.

Marfat.com

بعد يومين الى رؤيته ، فاشترط الغزال عليه الّا يسجد له ولا يخرجهما عن شئ من سُنّتهما ، فاجابهما الى ذلك . فلمّا مشيا اليه تعدّ لهما فى احسن هيئةٍ ، وأمر بالمدخل الّذى يفضى اليه ، فضيّق حتى لا يدخل عليه احدٌ الا راكعاً ، فلمّا وصل اليه جلس الى الارض وقدّم رجليه وزحف على أليتيه زحفةً ، فلمّا جاز الباب استوى واقفا والملكُ قد اعدّ له واحفل فى السلاح والزينة الكاملة ۔ فما هاله ذلك ولا ذعره ، بل قام ماثلاً بين يديه ، فقال : السّلامُ عليك ايها الملك وعلى من ضمّهُ مشهدك ، والتّحيّةُ الكريمةُ لك ، ولا زلتَ تُمتّعُ بالعزّ والبقاءِ والكرامةِ الماضية بك الى شرفِ الدّنيا والآخرة ، المتّصلةِ بالدّوام فى جوار الحىّ القيّوم ، الّذى كلُّ شئ هالكٌ الّا وجهه ، له الحُكْمُ واليه المرجعُ . نفسّر له التّرجمانُ ماقاله ، فاعظمَ الكلامَ ، وقال : هذا حكيمٌ من حكماء القوم ، وداهيةٌ من دُهاتهم ، وعجب من جلوسه الى الارض وتقديمه رجليه فى الدّخول ، وقال : أردنا ان نُذِلّه ، فقابلَ وجوهنا بنعليه ، ولولا انّه رسولٌ لانكرنا ذلك عليه . ثمّ دفع اليه كتابَ السُّلطان عبدالرحمٰن وقُرِئ عليه الكتابُ ، وفُسّر له . فاستحسنهُ واخذهُ فى يده ، فرفعه ثم وضعه فى حجره ، وامر بالهديّة ففُتحت عِيابُها ، ووقف على جميع ما اشتملت عليه من الثّياب والاوانى ! فاُعجب بها ، وامرهم فانصرفوا الى منزلهم ووسّع الجراية عليهم ۔

(٢٥)

وللغزال معهم مجالسُ مذكورة ومقاومُ مشهورة ، فى بعضها جادل علماءهم فبكّتهم ، وفى بعضها ناضل شُجعانَهم فاثبتهم ۔ ولمّا سمعت امرأةُ ملكِ المجوس بذكر الغزال وجّهت فيه لتراه ،

فلما دخل عليها سلّم، ثمّ شخَصَ فيها طويلا ينظرُ ها نظرَ المتعجّب. فقالت لترجمانها: سَلْهُ عن إدمان نظره لماذا هو؟ ألفرط استحسانٍ أم لضدّ ذلك؟ فقال: ما هو إلّا أنّى لم أتوهّمْ أنّ فى العالم منظراً مثل هذا، وقد رأيتُ عند مَلكنا نساءً انتُخِبن له من جميع الأمم فلم أرَ فيهن حُسناً يُشبه هذا. فقالت لترجمانها: سَلْهُ أمُجِدٌّ هو أم هازل؟ فقال: لا، بل مُجِدٌّ. فقالت له: فليس فى بَلَدِهم إذاً جمالٌ! فقال الغزال: فاعرضوا علىّ من نسائكم حتّى أقيسَها بها. فوجّهت الملكةُ فى نساءٍ معلومات بالجمال فحضرْن، فصعّدَ فيهن وصوّبَ ثمّ قال: فيهنّ جمالٌ وليس كجمال الملكة، لانّ الحسنَ الذى لها والصفات المناسبةَ ليس يُميّزُه كلُّ أحد وانّما يُعنَى به الشعراء، وان أحبّت الملكةُ أن أصِفَ حُسنَها وحسبَها وعقلَها فى شعرٍ يُروَى فى جميع بلادنا فعلتُ ذلك. فسُرّت بذلك عظيما وزُهِيَتْ، وأمرتْ له بصلة. فامتنع من أخذها الغزالُ، وقال: لا أفعلُ. فقالت للترجمان: سَلْه، لِمَ لا يَقبلُ صلتى؟ ألِأنه حَقرَها أم لأنه حَقرَنى؟ فسأله، فقال الغزال: إنّ صلتَها لجزيلة، وانّ الأخذَ منها لتشرّفٌ لأنّها ملكةٌ بنتُ مَلِك، ولكن كفانى من الصِلة نظَرِى اليها وإقبالُها علىّ، فحسبى بذلك صلةٌ، وانّما أريد أن تَصِلَنى بالوصول اليها أبداً. فلمّا فسّرَ لها الترجمانُ كلامَه زادت منه سروراً وعُجْبا، وقالت: تُحمَلُ صلتُه اليه، ومتى أحبَّ أن يَأتينى زائراً فلا يُحجَبُ وله عندى من الكرامة والرُّحب والسَّعة. فشكرَها الغزال، ودعا لها وانصرف.

قال تمّام بن عَلْقمة: سمعتُ الغزال يحدّث بهذا الحديث، فقلت له: وكان لها من الجمال فى نفسها بعضُ هذه المنزلة التى

Marfat.com

صَوَّرتَ؟ فقال: وأبيك، لقد كانت فيها حَلاوة، ولكني اجتلبتُ بهذا القول محبتَها، ونلتُ منها فوق ما أردتُ۔

(٢٦)

قال تمّام بن علقمة: وأخبرني أحدُ أصحابه، قال أولِعَتْ زوجةُ ملك المجوس بالغزال فكانت لا تصبر عنه يوماً حتى تُوَجِّه فيه ويقيم عندها يُحَدِّثها بِسِيَرِ المسلمين وأخبارهم وبلادهم، وبمن يجاوِرُهم من الأمم ۔ فقلما انصرف يوماً قطّ من عندها الّا أتبعته هديّة، تَلطُفه بها من ثياب أو طعام أو طِيبٍ، حتى شاع خبرُها معه، وأنكرَه أصحابُه، وحُذِّرَ منه الغزالُ، فَحذِرَ وأغَبَّ زيارتها۔ فباحثته عن ذلك، فقال لها ما حُذِّر منه فضحكت، وقالت له: ليس في ديننا نحن هذا، ولا عندنا غَيرة، ولا نساؤُنا مع رجالنا الّا باختيارهنّ تُقيم المرأة معه ما أحبّتْ، وتفارقه اذا كرِهت۔ وأمّا عادة المجوس قبلَ أن يَصِلَ اليهم دينُ رومة، فألّا يمتنع أحدٌ من النّساء على أحدٍ من الرجال، الّا أن يصحبَ الشريفةَ الوضيعُ، فتُعَيَّرَ بذلك، ويَحجُره عليها أهلُها. فلما سمع ذلك الغزال من قولها أنِسَ اليه وعاد الى استرساله."

(٢٧)

قال تمّام: كان الغزال في اكتهاله وسيما، وكان في صِباه جميلاً ولذلك سُمِّيَ بالغزال۔ ومشَى الى بلاد المجوس وهو قد شارفَ الخمسين وقد وخطه الشَّيبُ، ولكنه كان مُجتمعَ الأشُدِّ، ضَرْبَ الجسم[1] حَسن الصّورة. فسألته يوماً زوجةُ الملك، واسمُها نود[2]، عن سِنّه، فقال مُداعبا لها: عشرون سنةً. فقالت للتّرجمان:

---

[1] ضرب الجسم أي خفيف اللحم ممشوقا۔ [2] نود/تود۔

ومَن هو من عشرين سنة يكون به هذا الشَّيب ؟
فقال للترجمان : وما تُنكِر من هذا ؟ الم ترقطّ مُهراً يُنتج وهو أشهب ؟
فضحكت نود ، وأُعجبت بقوله . فقال في ذلك الغزال بديها :-

كُلِفتَ يا قلبي هوًى مُتعِبا　　غالَبتَ منه الضيغمَ الأغلَبا
انّيَ تعلّقتُ مجوسيّـةً　　تابىَ لشمس الحُسن أن تغربا
أقصَى بلاد الله لي حيث لا　　يلقى اليها ذاهبٌ مَذهَبا
يا نودُ يا رُودَا الشّباب التي　　تُطلِعُ من أزرارها الكوكبا
يا بأبي الشخصُ الذي لا أرَى　　أحلىَ على قلبي ولا أعذَبا
ان قلتُ يوماً إنّ عيني رَأت　　مُشبِهَهُ لم أعْدُ أن أكذِبا
قالت أرى فودَيه قد نوّرا　　دُعابةً تُوجِبُ أن أدْعَبا
قلتُ لها يا بأبي انّه　　قد يُنتَجُ المُهرُ كذا أشهبا
فاستضحكت عُجْباً بقولي لها　　وانّما قلتُ لكي تَعجَـبـا

قولهُ (يا رؤدَ الشّباب) الرأدة والرُّؤدة والرُّؤد : الجاريةُ الناعمةُ الجسم وقد رَؤُدَ شبابُها ـ والغُصن الرُّؤدُ الرطب، والشّعراء يسهّلون الهمزة منه تخفيفا فلا يكادون ينطقون بها ـ

وقوله (فوديه قد نوّرا . فالفودان مايلي الأُذُنَين من الشَّعر ـ

وقوله (أن أدعَبا) فانّه يقال من الدُّعابة دَعِب، بكسر العين في الماضي، يدعَب، بفتح العين في المضارع، دعَبا، بفتح الدال والعين في المصدر ـ

---

(٢٨)

ولمّا انتقد "نُود" الشعرَ وفسّره الترجمانُ لها، ضحكت منه وأمرته بالخضاب ففعل ذلك الغزالُ، وغدا عليها يوماً ثانيـا وقد اختضَبَ، فمدحت خضابَه وحسّنَتْهُ عنده، ففي ذلك

Marfat.com

يقول الغزال:

بكرت تحسّن لى سوادَ خِضابى — فكأنّ ذاك أعادَ لى لِشبابى
ما الشّيبُ عندى والخضابُ لواصفٍ — الّا كشمسٍ جُلّلت بضباب
تخفى قليلاً ثم يقشعها الصّبا — فيصيرُ ما سُترت به لذهاب
لا تنكرى وضحَ المشيب فانّما — هو زهرةُ الافهام والالباب
فلدىّ ما تهوَين من شأن الصّبا — وطلاوةِ الاخلاق والآداب

(۲۹)

وله فى الغزل معنى انفرد باختراعه، وابدعَ ماشاء فى إبداعه، وهو قوله:-

وسُليمى ذاتُ زهدٍ — فى زهيدٍ من وِصالِ
كُلّما قلتُ صِليني — حاسَبتْنى بالخيالِ

وهذا اختراعٌ عجيب، ومعنى غريب، وزاد فيه بعد ذلك فقال:-

والكَرى قد مَنعتْه — مُقلتى أخرى اللّيالى
وهى أدرى فلماذا — دافعتْنى بمُحالِ
أتُرانى اقتضيها — بعدُ شيئاً من نوالِ

(۳۰)

ومن قول الغزال فى الزّهد:-

النّاسُ خلقٌ واحدٌ متشابه — لكنّما تتخالفُ الأعمالُ
ويُقال حقٌّ فى الرّجال وباطلٌ — اىٌّ امرئٍ إلّا وفيه مَقالُ
ولكلّ إنسانٍ بما فى نفسه — مِن عَيبه عن غيره أشغالُ
يَستثقِل اللّممَ الخفيفَ لغيره — وعليه من أمثال ذاك جبالُ

Marfat.com

درأيتُ ألسنةَ الرّجالِ أفاعيًا	طورًا تثورُ وتارةً تغتالُ
فإذا سلمتَ من المقالةِ غيرما	تجني فأنت الأسعدُ المفضالُ

(ابن دحيه: المطرب من اشعار اهل المغرب ١٣٨ ـــ ١٥١)

(٣١)

خرج الأميرُ محمدُ بن عبد الرحمٰن الى الرُّصافة يومًا متنزِّهًا، ومعه هاشم بن عبد العزيز، فكان بها صدرَ نهاره على لذّته، فلمّا امسٰى واختلَطَ الظّلامُ، انصرفَ الى القصر وبه اختلاطٌ، فاخبرَ مَن سمعه وهاشم يقول له: "يا ابنَ الخلائفِ! ما أطيبَ الدُّنيا لولا الموتُ!" فقال له الأميرُ: "يا ابن اللّخْناءِ! الحَنِثَ في كلامك! وهل مَلَكْنا هٰذا المُلْكَ الّذى نحن فيه الّا بالموت؟ فلولا الموتُ، ما مَلَكْناه ابدًا"۔

(ابن عذارى ٢/١١١)

(٣٢)

كان (الامير عبد الله بن محمد بن عبد الرحمٰن) اديبا، شاعرا، بليغا، بصيرا باللغة والغريب وايّام العرب ..... وله فى النسيب

يا كَبِدَ المشتاقِ ما أوجعَكْ!	ويا أسيرَ الحُبِّ ما أخضعَكْ
ويا رسولَ العينِ مِن لحظِها	بالرّدِّ والتّبليغِ ما أسرَعكْ
تذهبُ بالسِّرِّ وتأتِي به	فى مجلسٍ يَخفىٰ على مَن مَعكْ
كم حاجةٍ أنجزتَ موعِدَها	تبارَكَ الرّحمٰنُ، ما أطوَعَكْ!

(٣٣)

وله فى الزّهد:-

يا مَن يُراوِغُهُ الأجلْ	حتّامَ يُلهِيكَ الأمَلْ

Marfat.com

حتّامَ لا تخشَى الرَّدَى — وكأنّه بك قد نَزَلْ
أغفَلتَ عن طلب النّجا — ةِ ولا نجاةَ لمن غفَلْ
هيهات يشْغَلك الرّجا — ءُ ولا يدوم لك الشُّغُلْ

(الحلة السيراء ۱/۱۲۰ - ۱۲۲)

قال ابو العتاهية :-

لا يَذهبنّ بك الأمَلْ — حتّى تُقصِّرَ فى العمَلْ

وقال نذير احمد الدهلوى فى مُعارَضته :-

اللّهُ قدّرَ فى الأزَلْ — أن لا نجاةَ بلا عَمَلْ
النُّصحُ ليس بنافعٍ — والسّيف قد سبقَ العذَلْ
والمرءُ ليس بخالدٍ — والعيش أمرٌ محتمَلْ
كن حيثُ شئتَ من السُّهو — لِ وفى البروج وفى القُلَلْ
يُدرِكْكَ موتٌ فى الزّما — نِ ولا يَزيدك فى الأجَلْ
لذّاتُ دنيا كلّها — سُمٌّ مشوبٌ بالعسَلْ
العُمر فانٍ فالنّجا ! — والموتُ آتٍ فالعملْ !
حتّامَ تقليدُ الهوَى — والامَ تجديد الحِيَلْ
المبتلَى بعلائقِ الدّ — نيا حِمارٌ فى الوَحَلْ

(۳۴)

وقد ذكر ابو عامر السّالمى فى كتابه المسمّى ب"دُرَر القلائد وغُرَر الفوائد" ان الامير الرئيس الهُمامَ الجَوادَ الحَسِيبَ ابا اسحاق ابراهيم بن حجّاج[1] سمعَ بجاريةٍ بغدادية اسمُها قَمَر ، فوجّه باموال عظيمة

[1] بنو حجاج بيت رئاسة وظهور باشبيلية ، مات ابراهيم سنة ۲۸۸ھ بعد ان كشف الوجه فى الخلاف على الامير عبدالله بن محمد - قصد ومدح ابن عبد ربّه

Marfat.com

الی المشرق فی ابتیاع هذه الجاریة، الی ان استقرت بدار مملکته اشبیلیة، وکانت کالبدر المنیر ذات بیانٍ وفصاحة ومعرفة بالألحان والغناء، فوجدها فسرّا عند اسمها، وکان لها شعرٌ یستحلی ویستحسن. فمن قولها ترد علی من عاذ لها:-

قالوا اتت قمرٌ فی زیّ اطمارِ ... من بعد ماهتکت قلباً بأسفارِ
تمشی علی وحلٍ، تغدو علی سُبلٍ ... تشقّ امصاراً ارضٍ بعد امصارِ
لاحُرّةٌ هی من احرار موضعها ... ولا لها غیرُ ترسیلٍ[1] واشعارِ
لو یعقلون لماعابوا غریبتهم ... للّٰه من امةٍ تُزری باحرارِ
مالابن آدم فخرٌ غیر همّته ... بعد الدیانة والاخلاص للباری
دعنی من الجهل لا ارضی بصاحبه ... لا یخلص الجهلُ من سبٍّ ومن عارِ
ولم تکن جنةٌ الّا لجاهلة ... رضیتُ من حکم ربی للناس بالنارِ

(ابن عذاری ۲/۱۲۸-۱۲۹)

امیر المؤمنین عبد الرحمن بن محمد الناصر لدین الله

۳۰۰-۳۵۰ھ

(۳۵)

" والناصر هذا هو اول من تسمّی منهم بأمیر المومنین، وتلقّب بأحد الألقاب السلطانیة، وهو" الناصر" ثم تسمّی منهم من کان بعده من خلفائهم بإمرة المومنین وآثر اللقب السلطانی، وذلک حین هاجت الخلافةُ العباسیة وضعفت، وظهرت الدولة الترکیة والدیلمیة، فصارت إمرةُ المؤمنین لائقةً بمنصبه، وکلمةً باقیةً فی عقبه، فاستهلّ الخطیبُ بجامع قرطبة احمد بن بقی بن مخلد،

---

[1] ترسّل: رتّل۔

بذِكر هٰذا الإسم المُخلَّد، يوم الجمعة مستهلَّ ذى الحجّة من سنة ۳۱۶. وفى يوم ولايتہ يقول احمدُ بن عبد ربّہ من قصيدة :-

بدَا الهلالُ جديدا ... والمُلكُ غَضٌّ جديدُ
يا نعمة اللّٰه زيدى ... فما عليكِ مَزيدُ[1]

دولِّيَ والاندلس جمرةٌ تحتدِمُ، ونارٌ تضطرِم شقاقا و نفاقًا، فأخمَدَ نِيرانها، وسكّنَ زلازِلها، وغزا غزوات كثيرةً وكان يُشبَّہ بعبد الرحمٰن الداخل ‟

(ابن عذاری ۲/۱۵۷)

(۳۶)

وهو الّذى استنزَلَ الثُّوّار وشيّد القصورَ، وغَرَس الغُروس وخلّد الآثارَ، وأعظمَ فى الكفر النِكايةَ، فلم يبقَ عليہ فى الاندلس مُخالفٌ ولا نازعہ منازِعٌ. ودخلَ النّاسُ أفواجًا فى طاعتہ ورغِبوا فى مسالمَتہ. وفى ذلك يقول شاعره ابنُ عبد ربّہ :-

قد اوضَحَ اللّٰہُ للاسلام مِنهاجا ... والناسُ قد دَخلوا فى الدّين افواجا
وقد تزيّنَتِ الدُّنيا لساكِنِها ... كأنّما لَبِست وَشيا ودِيباجا

(اعمال الاعلام ۲۹ – ۳۰)

(۳۷)

عُمَر بن حَفصُون : هو كبير الثُّوّار بالاندلس. ونَسَبُہ: عمر بن حفص، المعروف بحفصون بن عُمَر بن جعفر بن شتيم بن ذُبيان بن فَرغَلوش بن إذفونش، من مُسالِمَة الذِّمَّة، .... وكان الّذى اَسلمَ منهم جعفر بن شتيم، ففَشا نسلُہ فى الاسلام ..... فعُمَر هٰذا هو الذى ثار على الأمير محمّد (بن عبد الرحمٰن بن الحكم) أوّلاً،

---

[1] نفح الطيب : ” ان كان فيك مزيد “

Marfat.com

ثُمّ بلغ بعد ذلك فى الشِّقاق والفِتَن مَبلَغاً لم يبلُغه ثائِرٌ بالاندلس، واستوطَن لِأوّل نِفاقه حِصن بُرْبَشْتَر قاعدةً وحضرةً، وهى امنعُ قِلَاع الاندلس قاطبةً .... واتّصلت ايّامُه فى ظهور وعزّة حتّى تقدّم فيها ثلاثةٌ من خلفاء المروانيّين أئمّة الجماعة بالأندلس. رحمهم الله. أوّلهم هذا الامير محمّد، وتخلّف بعدهم الى أنْ هَلَكَ على يد الرّابع منهم وهو عبد الرّحمن النّاصر .....

(ابن عذارى ۱۰۶/۲)

(۳۸)

واتّفقَ له (عمر بن حفصون) زمانُ هَرْجٍ وقلوبٍ قاسِية فاسِدة ونفوس خبيثة، متطلّعة الى الشّرّ، مُشرَئبّة الى الفتنة. فلمّا ثار، وجدَ من النّاس انقياداً وقبولاً للمشاكلة والموافقة، فتألّبَت له الدُّنيا، ودخل الى النّاس من جهة الألفة، وقال: "طال مَا عنّفَ عليكم السلطانُ، وانتزَعَ اموالكم، وحمّلكم فوق طاقتِكم، وأذلّتكم العَرَبُ، واستعبَدَتكم! وانّما أُريدُ أن أقومَ بثأركم، وأُخرِجَكم من عُبوديّتكم!" فكان ابنُ حفصون لايُورِدُ هذا على أحَدٍ الاّ اجابه وشكَرَه. فكانت طاعة اهل الحصون بهذا الوجه. وكان أتباعه شُطّار النّاس وشِرارَهم. فكان يُمنّيهم بفتح البلاد وغنائم الأموال ـ وكان مع ذلك مُتحبّباً لأصحابه، متواضِعاً لِأُلّافه، وكان مع شرّه وفسقه، شديدَ الغيرة، حافِظاً للحُرمة، فكان ذلك ممّا يُميل النّفوسَ اليه. ولقدكانت المرأةُ فى ايّامه تجئُ بالمال والمتاع من بلدٍ الى بلدٍ منفردةً، لا يعترِضُها احدٌ من خَلْقِ الله، وكانت عقوبتهُ السّيفَ ،

Marfat.com

يُصَدِّقُ المرأةَ والرّجلَ والصَّبيَّ أو من كان على مَن كان، لا يطلب على ذلك شاهداً أكثر من الشكوى، وكان يأخذ الحقَّ من ابنه، ويُبِرُّ الرّجالَ ويُكرِمُ الشّجعان، واذا قدرَ عليهم عَفا عنهم، وكان يُسَوِّرُهم بأشورة الذّهَب اذا اختصلوا[1]، فكانت هٰذه الأشياءُ كلُّها عَوناً له۔

(ابن عذاری ٢/١١٤-١١٥)

(٣٩)

وثار سعيد بن جودی فی ذلك التاریخ (٢٧٦ھ) بالعَرَب وعارَضَ ابنَ حفصون بالحَرْب والحِرَاب[2]، حتّى اغصّه بريقِه، وضايَقَه فی سبیله هناك وطریقِه، فرجع ابنُ حفصون الى الحیلة فیه والكَیْد، اذ عجز عنه بالقوّة والأیْدِ، حتّى قبض علیه، وصار أسیراً لدیه، واقام عنده ببُبشتَر شهوراً مكبولاً، الى ان قبل فیه ابنُ حفصون مالاً جزْلاً فبولاً، فأطلقه من وَثاقه، فجدَّ فی خلافه على الأمیر عبد الله وشِقاقِه، الى اَن مکربه مکراً، وقُتِلَ فی دارِ عَشیقةٍ له یهودیّةٍ غَدْراً۔

(ابن عذاری ٢/١٣٤)

(٤٠)

ولمّا قُتِلَ سَوّارُ بن حمدون ذلّت العَرَبُ بمقتله، وكَلَّ حدُّها بما نَزَل فیه، وكان قد أُصیب على یدی بعض اصحاب ابن حفصون. فیقال انّ جُثّته مزّقها ثكالى[3] نساءِ المولّدین قِطعاً،

---

[1] اختصلوا ای فضلوا۔
[2] آلة للحرب من الحدید، ج حِراب۔
[3] ثكلى۔ المرأة التی فقدت ولدها، ج ثكالى۔

Marfat.com

واكله كثيرٌ منهنّ حنقاً عليه، لِما نالهنّ به المرّةَ بعد المرّة من التُّكْل في بُعولتهنّ وأَهْلِيهنّ. فنصَبت العرب لإمارتها بعدَه سعيدَ بن سليمان بن جودي صاحبَه، وعلّقت آمالها به، فلم يسُدَّ مكانَه، ولا بلغ مداه في السّياسة. على انّه كان شجاعاً بطلاً وفارساً مِحْرَباً[له]، قد تصرّف مع فُروسيته في فنون العلم وتحقّق بضروب الأدب، فاغتدى اديباً نِحْرِيرًا وشاعراً مُحْسِناً.

وزعموا انّ من اقوى الاسباب في قتله أبياتٌ من الشّعر قالها في غَمْصِ[له] الأئمّة من بني مروان. منها، قال لعبد الله:

يا بني مروان جِدّوا في الهَرَبْ نَجَمَ الثائرُ من وادي القصبْ
يا بني مروان خلّوا مُلكَنا انّما الملكُ لأبناء العَرَبْ

(٤١)

وله حين أَسَرَهُ عمرُ بن حفصون، رأسُ الفتنه بالاندلس ومُضرِمُ نارها وركنُ العصبيّة للعجم والمولّدين:

خليلَيَّ صبراً، راحة الحُرِّ في الصّبْرِ ولا شيءَ مثلُ الصّبرِ في الكرْبِ للحُرِّ
فكم من أَسيرٍ كان في القِدِّ مُوثقاً فأَطلقَه الرّحمنُ من حَلَقِ الأَسْرِ
لئن كنتُ مأخوذاً اسيراً وكنتما فليس على حَرْبٍ ولكنْ على غَدْرِ
ولو كنتُ اخشى بعضَ ما قد اصابني حَمَتْنِيَ اطرافُ الرُّدَيْنِيَّةِ السُّمْرِ
فقد عَلِمَ الفتيانُ اِنّي كَمِيُّها وفارسُها المِقْدامُ في ساعة الذُّعْرِ

(الحلّة السيراء ١/١٥٥-١٥٩)

(٤٢)

والسبب في كثرة الثُّوّار بالاندلس يومئذٍ ثلاثةُ وجوهٍ:

له مِحْرَب: شديد الحرب.

له غمص: احتقار.

الاَوّلُ مَنعۃُ البلادِ وحَصَانۃُ المعَاقِل، وبأسُ اھلھا بمقاربتھم عدوَّ الدّین، فھم شوکۃ وحدٌّ بخلاف سِواھم، والثّانی علوُّ الھِمَم، وشموخُ الاُنوف، وقلّۃُ الاحتمال لثقل الطاعۃ۔ اذ کان من یَحصُلُ بالأندلس من العرب والبرابرۃ اَشرافاً یانَفُ بعضھم من الإذعان لبعض، والثالث: الاستِنادُ عند الضیقۃِ والاضطرارِ الی الجبَل الاَشمّ والمعقِل الاَعظم من مَلِكِ النّصاری الحریصِ علی ضرب المسلمین بعضھم ببعض۔

(اعمال الاعلام ۳۶)

(۴۳)

وفی سنۃ ۲۸۶ھ اظھرَ ابنُ حفصون النصرانیۃ، وکان قبل ذٰلك یُسِرُّھا، وانعقَدَ مع اھل الشرك وباطَنَھُم، ونفر عن اھل الاسلام ونابَذَھم، فتبرّأ منہ خلقٌ کثیر، ونابذَہ عوسجۃُ بن الخلیع، وبَنَی حِصنَ قَنِیط، وصار فیہ مُوالیا للأمیر عبدِ اللہ، محُارِبا لابن حفصون۔ واتّصلَتْ علیہ المغازی من ذٰلك الوقت، ورأی جمیعُ المسلمین انّ حربَہ جھادٌ، فتتابعَتْ علیہ الغزواتُ بالصّوائف والشّواتی، ولا یَنِي القُوّاد عنہ فی الحَلِّ والتّرحال. وفی ذلك قال ابن قُلزُم للقلفد ابن ابی عَبْدَۃ:-

فنی کلّ صیفٍ وفی کلّ مَشتیً ... غزاتان منك علی کلّ حالِ
فتلك تُبیدُ العدوَّ وھذی ... تُفیدُ الإمامَ بھا بیتَ مالِ

(ابن عذاری ۱۳۹/۲)

(۴۴)

وفی سنۃ ۳۵۰ تُوُفِّيَ النّاصِرُ (رحمہ اللہ) وذٰلك فی صدر رمضان منھا، ووُجِد بخطّہ تاریخٌ قال فیہ: "ایامُ السّرور التی صفَتْ لی دون تکدیر

Marfat.com

فی مدّة سلطانی یوم کذا من شهر کذا من سنة کذا " فعُدّت تلك الايّامُ، فوُجِد فيها اربعة عشر يومًا. فاعجبْ ايُّها الغافلُ لهذه الدُّنيا، وعدمِ صفائها، وبُخلِها بكمال الاحوال لاوليائها. أنّ الخليفةَ الناصرَ ملَكَ خمسين سنة وسبعة اشهر وثلاثة ايّام، ولم يَصْفُ له من الدُّنيا الّا اربعة عشر يومًا! فسبحان ذی العزّة العالية، والمملكة الباقية، تبارك اسمُه وتعالىٰ جدُّه!

(ابن عذاری ٢/٢٣٢)

(٤٥)

ووفدت عليه (الناصر) سنةَ ستٍّ وثلاثين (وثلثمائة) رسلُ صاحب قُسْطَنْطِينِيّة وهديّته، وهو يومئذ قسطنطين، واحتفل الناصرُ لقدومهم فی يوم مشهود، قال ابن خلدون: ركبت فی ذلك اليوم العساكرُ فی اكمل شِكّة[1]، وزيّن القصرُ الخلافیُّ بانواع الزينة واصناف السُّتور، وجُمِّلَ السّريرُ الخلافِيّ بمقاعد الابناء والاِخوة والاعمام والقرابة، ورُتِّبَ الوزراءُ والخَدَمةُ فی مواقفهم، ودخلَ الرُّسلُ فهالَهم مارأوْهُ، وقُرِّبُوا حتی أدّوا رسالتهم، وأُمِرَ يومئذٍ الاعلامُ ان يَخطُبوا فی ذلك المحفل ويُعظِّموا من أمرالاسلام والخلافة ويشكروا نعمة الله علی ظهورِ دينه واعزازه وذِلّةِ عدوّه، فاستعدّوا لذلك ثم بَهَرَهم هولُ المجلس فوجَموا وشرَعوا فی القول فارتجّ عليهم، وكان فيهم ابوعلیّ القالِیّ وافِدُ العراق، كان فی جملة الحكَمِ ولیِّ العهد، وندَبهُ لذلك استيثارا فعجز، فلما وجمُوا كلُّهم قام منذرُ بنُ سعيد البَلّوطیّ من غير استعداد ولا رَوِيّةٍ ولا تقدّمَ له احدٌ بشیٔ من ذلك، فخطَب

[1] شِكّة = سلاح۔

Marfat.com

واستحضر رجلًا فی ذلك القصد وانشد شعرًا طويلا ارتجله فی ذلك الغرض، ففاز بفخر ذلك المجلس، وعجب الناس من شأنه اكثر من كلّ ما وقع۔

ومن شعره فی هٰذه الواقعة، قوله :۔

مَقالی لحدّ السّيف وسطَ المحافل فرقتُ به ما بينَ حقٍ وباطلِ

فما دحضتْ رجلی ولا زلّ مِقْوَلی ولا طاش عقلی يومَ تلك الزّلازلِ

وقد حدّقتْ حولی عيونٌ إخالها كمثلِ سهامٍ أثبتتْ فی المقاتِلِ

لخيرِ امامٍ كان اوهو كائن لمقتبلٍ او فی العصورِ الاوائلِ

ترى النّاسَ افواجًا يؤمّون بابَه وكلّهم ما بين راجٍ وآمِلِ

وفودُ ملوك الرّوم وسطَ فِنائه مخافةَ بأسٍ اورجاءً لنائلِ

فعِش سالمًا أقصى حياةٍ مؤمّلاً فانتَ رجاءُ الكلِّ حافٍ وناعلِ

ستملكُها ما بين شرقٍ ومغربٍ الى دربِ قسطنطينَ اوارضِ بابلِ

وذكر انّ الناصر قال لابنه الحكم بعد ان سأله عنه : لقد احسنَ ماشاء فلئن كان حبّر خطبته هٰذه وأعدّها مخافةَ ان يدور ما دار فيتلافى الوهيَ فانّه لبديعٌ من قدرته واحتياطه، ولئن كان اتى بها على البديهة لوقته فانّه لأعجبُ وأغربُ۔

ولمّا فرغ منذر من خطبته انشد :۔

هٰذا المقامُ الّذی ماعابه فندُ لكنّ قائله أزرى به البلدُ

لوكنتُ فيهم غريبًا كنتُ مُطّرفًا لكنّنی منهم فاغتالنی النّكدُ

لولا الخلافةُ أبقى اللهُ حرمتَها ماكنتُ ارضى بأرضٍ مابها أحَدُ

كأنّه عرّض بابی علی القالی وتقديمهم اياه فی هٰذا المقام، واللّٰه أعلم۔

(۴۶)

دخل المنذر بن سعيد يومًا على الناصر، بانی الزّهراء، وهو

Marfat.com

مُلِبٌّ على الاشتغال بالبنيان، فوعظه، فانشده عبد الرحمٰن الناصر

هِمَمُ الملوكِ اذا ارادوا ذكرها ‏ ‏ ‏ من بعدِهم فبألسُنِ البنيانِ

اَوما ترى الهرمَيْن قد بَقِيَا وكم ‏ ‏ ‏ مُلْكٍ محاهُ حوادثُ الازمانِ

انّ البِناءَ اذا تعاظمَ شأنُهُ ‏ ‏ ‏ اَضحى يدُلّ على عظيمِ الشانِ

ما اَدرِى أهذا شعرُهُ ام تمثّلَ به، فان كان شِعرَهُ فقد بلغ به غايةَ الإحسان، وان كان تمثّلَ به فقد استحقّهُ بالتّمثّل به فى هذا المكان، وكان منذر يُكثِرُ تعنيفه على البنيان، ودخلَ عليه مرّةً وهو فى قبّةٍ قد جعلَ قرمدَها من ذهب وفضة، واحتفلَ فيها احتفالا ظنّ انّ احدا من الملوك لم يَصِلْ اليه فقام خطيبا والمجلسُ قد غصّ بارباب الدّولة فتلا قولَه تعالىٰ "وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ" [1] الآية" واتبعَها بمايَليقُ بذلك فوجَمَ الملكُ واظهرَ الكابةَ ولم يَسَعْهُ الّا الاحتمالُ لمنذر بن سعيد لِعظَمِ قدرِه فى علمه ودينه. [واطرقَ (الخليفةُ) مَلِيّاً ودموعُه تتساقطُ خُشوعًا للهِ تعالىٰ ثم اقبل على منذر وقال له:- جزاك الله، يا قاضى! عنّا وعن نفسك خيرًا وعن الدّين والمسلمين اجلّ جزائه، وكثّر فى الناس امثالَك، فالّذى قلتَ هو الحقُّ، وقام عن مجلسه ذلك وهو يستغفرُ اللهَ تعالىٰ، وأمر بنقض سقف القُبَيْبَة وأعاد قرمدَها ترابا] [2]

(۴۷)

وحضر (منذر) معه (الناصر) يومًا فى الزّهراء فقام الرئيس ابو

---

[1] الزخرف ۸- تمام الآية: وَلِبُيُوتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ، وَزُخْرُفًا، وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا، وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ -

[2] مابين المعقفين زيادة عن ابن الحسن النباهى -

Marfat.com

عثمان بن ادریس، فانشد للناصر قصیدةً، منها:-

سیشهدُ ما اَبقیتَ انّك لم تكن مُضیعاً وقد مكّنتَ للدّین والدّنیا

فبالجامعِ المعمورِ للعلم والتُّقی وبالزّهرة الزّهراء للمُلكِ والعُلیا

فاهتزّ الناصرُ وابتهج وأطرقَ منذر بن سعید ساعةً ثم قام مُنشداً:-

یا بانیَ الزّهراء مُستغرِقاً اوقاته فیها أَما تُمهَلُ

لِلّه ما أحسنها رونقاً لولم تكن زهرتها تذبُلُ

فقال النّاصر اذا هبّ علیها نسیم التّذكار والحَنین وسقتها مدامعُ الخشوع یا ابا الحكم لا تذبُلُ ان شاء الله تعالیٰ فقال منذر، اللّهمّ اشهَدْ انّی قد بثثتُ ما عندی ولم آلُ نُصحا۔ ولقد صدقَ القاضی منذرٌ رحمه الله تعالیٰ فیما قال، فانّها ذبلَت بعد ذلك فی الفتنة۔

(نفح الطیب ۱/۲۶۹)

(۴۸)

(قال محی الدین بن العربی فی المسامرات): اخبرَنی بعض مشایخ قرطبة عن سببِ بناءِ مدینة الزهراء انّ الناصرَ ماتت له سُرّیّةٌ[له] وتركت مالاً كثیرا فأمرأن یُفكّ بذلك المال أسرَی المسلمین وطلبَ فی بلاد الافرنج اسیرا فلم یوجَدْ فشكرَ الله تعالیٰ علی ذلك، فقالت له جاریتُه الزّهراء، وكان یحبُّها حبّا شدیدا: اشتهَیتُ لو بَنَیتَ لی به مدینةً لتُسمّی باسمی وتكونُ خاصةً لی، فبناها تحت جبل العروس من قِبلة الجبل وشمال قرطبةُ وبینها وبین قرطبة الیوم ثلاثة امیال اونحوذلك، وأتقن بناءَها واحكمَ الصّنعة فیها وجعلها مُستنزَها ومسكنا للزّهراء وحاشیة ارباب دولته

[له] السُرّیّة = الأمَة التی انزلتها بیتاج سرارِیّ، واشتقاقها قیل من السِرّ وقیل من السرور۔

ونَقَشَ صورتَها على الباب، فلمّا قعدَت الزّهراءُ فى مجلسها نظرت الى بياض المدينة وحُسنِها فى حَجْرِ ذلك الجبل الأسود، فقالت: يا سيّدى! الاترى الى حُسنِ هذه الجارية الحسناء فى حَجْرِ ذلك الزّنجىّ؟ فأمر بزوال ذلك الجبل، فقال بعضُ جلسائه: أُعِيذُ أميرالمؤمنين ان يَخطُرَ له مايشينُ العقلَ سَماعُه، لو اجتمعَ الخَلقُ ما أزالوه حَفراً ولا قطعًا ولا يُزيلُه الاّ من خلقَه، فأمرَ بقطع شجره وغَرَسِه تيناً ولوزاً، ولم يكنْ منظرٌ أحسنَ منها ولا سِيَّمافى زمان الأزهار وتفتُّح الاشجار وهى بين الجبل والسهل. انتهى ببعض اختصار

(نفح الطّيب ١/٢٤٥)

(٤٩)

حكى انه لمّا أعْذَرَ[1] (الناصر) لأولاد ابنه ابى مروان عبيدالله اتّخذَ لذلك صَنيعًا عظيمًا بقصر الزّهراء لم يتخلّف احدٌ عنه من أهل مملكته وأمر ان يُنْذَرَ لِشهوده الفقهاءُ المشاوَرون ومن يليهم من العلماء والعُدول ووُجوه الناس، فتخلّفَ من بينهم المشاوَرُ ابوابراهيم وافتُقِدَ مكانُه لارتفاع منزلته، فسألَ فى ذلك الخليفةُ النّاصرُ، اذ ابوابراهيم من اكابرعلماء المالكيّة الّذين عليهم المدارُ، ووجدَ النّاصر بسبب ذلك على ابى ابراهيم، وأمرَ ابنَه ولى العهد الحكَمَ بالكتاب اليه والتّفْنِيد له، فكتبَ اليه الحكَمُ رُقعةً ......
فأجابه ابوابراهيم: سلامٌ على الأمير سيّدى ورحمة الله، قرأتُ ابقى اللهُ الاميرَ سيّدى. هذا الكتابَ وفهمتُه، ولم يكن توقّفى لنفسى، انّما كان لاميرالمؤمنين سيّدنا. أبقى اللهُ سلطانَه لِعلمى بمذهبه وسُكونى إلى تقواه واقتفاءِه لاثرسَلَفه الطّيّب ــــ

---

[1] اعذرَ = اتخذ طعام الختان او البناء۔

رضوان الله عليهم - فانّهم يستنبقون من هذه الطبقة بقيةً لا يمتهنونها بما يشينها ولا بما يغضّ منها ويطرق الى تنقيصها. يستعدون بها لديهم ويتزيّنون بها عند رعاياهم ومن يفد عليهم من قصّادهم، فلهذا تخلّفتُ ولعلى بمذهبه توقّفتُ ان شاء الله تعالى. فلمّا أقرأ الحكمُ أباه الناصرَ لدين الله جوابَ ابى ابراهيم اسحاقَ أعجبهُ واستحسنَ اعتذاره وزال ما بنفسه عليه-

(٥٠)

وحكى الفقيهُ ابو القاسم بنُ مفرج قال: كنتُ اختلفُ الى الفقيه ابى ابراهيم رحمه الله تعالى فيمن يختلفُ اليه للتفقّه والرّواية، فانّى لعنده فى بعض الايام فى مجلسه بالمسجد المنسوب لابى عثمان الّذى كان يُصلّى به قُرب داره، ومجلسه حافلٌ بجماعة الطّلبة. اذ دخل عليه خصيٌّ من اصحاب الرسائل جاء من عند الخليفة الحكم فوقفَ وسلّم وقال له يا فقيهُ! أجِبْ اميرَ المؤمنين - أبقاه الله - فانّ الامر خرج فيك وها هو قاعدٌ ينتظرك، وقد أُمرت باعجالك، فاللهَ اللهَ. فقال له: سمعاً وطاعةً لأميرالمؤمنين ولا عجلة، فارجِعْ اليه وعرِّفه- وفّقه الله - عنّى أنّك وجدتنى فى بيت من بيوت الله تعالى، معى طلّابُ العلم، أُسْمِعُهم حديثَ ابن عمّه رسولِ الله صلّى الله عليه وسلّم فهم يُقيِّدونه عنّى وليس يُمكننى تركُ ما أنا فيه حتى يتمّ المجلسُ المعهودُ لهم فى رضا الله وطاعته، فذالك أوكدُ من مسيرى اليه الساعةَ، فاذا انقضى أمرُ من اجتمعَ الىّ من هولاء المحتسبين فى ذاتِ الله، السّاعين لمرضاته، مشيتُ اليه ان شاء الله تعالى، ثمّ اقبلَ على شأنه، ومضى الخصىّ يُهَيْنِمُ متضاجراً من توقّفه، فلم يكُ إلّا ريثما أدّى جوابه وانصرفَ سريعاً ساكنَ الطّيش فقال له:

Marfat.com

يا فقيهُ! أنهيتُ قولَك على نصّه الى امير المومنين - ابقاه الله - فاصغى اليه وهو يقول لك: جزاك الله خيرا عن الدّين وعن أمير المومنين وجماعة المسلمين وامتعهم بك، واذا انت اوعيتَ فامضِ إليه راشدا ان شاء الله تعالى -

(نفح الطيب ١/١٧٥-١٧٦)

قال ابوعمر احمدُ بن محمّد بن فرج صاحبُ "كتاب الحدائق": حدّثني ابوبكر اسماعيلُ بن بدر، انّه خاطبَ أميرَ المومنين النّاصرَ لدين الله عبدَ الرّحمن بن محمّد، رحمه الله، في غزاة كان آلى أن لا يأنسَ فيها بمنادمة أحدٍ حتى يفتح معقِلا، فافتتح معقلا بعدَ آخر، وتمادى على عزمه في العزوف عن المنادمة، فذكر انّه كتب اليه:-

لقد حلّت حُميّا الرّاح عندي وطابت بعد فتحك معقِلَين
وآذنَ كلّ هَمٍّ بانفراجٍ وان يُقضىَ غريمٌ كُلّ دَينِ

....

فذكر انّه جاوبه بقوله:-

كيف وانّى لمن يُناجي من لوعة الهمّ ما أُناجي
يطمعُ ان يستريحَ وقتاً او يفتلَ الرّاحَ بالمزاج؟
لو حُمّلَ الصّخرُ بعض شجوي عادَ الى رقّة الزّجاجِ
الوردُ ممّا يهيجُ حُزني ويبعثُ السّوسنُ اهتياجي
ارى ليالِيَ بعد حُسنٍ أقبحَ من اوجُهٍ سِماجِ
لا ترجُ ممّا اردتَ شيئاً أو يُؤذِنَ الهمُّ بانفراجِ

(الحلّة السيراء ١/١٩٩-٢٠٠)

Marfat.com

الحكم بن عبد الرحمن المستنصر بالله
٣٥٠ — ٣٦٦ ھ

(٥١)

وفيها (سنة ٣٥٤) شُرِعَ فى تنزيل الفُسَيْفِساءِ بالمسجد الجامع، وكان ملك الرّوم بعثَ بها الى الخليفة الحَكَم، وكان الحَكَمُ قد كتبَ له فى ذلك، وأمَرَه بتوجيه صانعِها اليه، اقتداءً بما فعلَه الوليدُ بنُ عبد الملك فى بنيانِ مسجد دمشق، فرجعَ وفدُ الحَكَمِ بالصّانع، ومعه من الفُسَيْفِساء ثلاثمائةٍ وعشرون قنطارًا، بعثَ بها ملكُ الروم هَدِيّة، فأمر الحَكَمُ بانزال الصّانع، والتّوسيع عليه ورتّبَ معه جملةً من مماليكه لِتعَلُّم الصّناعة، فوضعوا أيديَهم معه فى الفُسَيْفِساء المجلُوبة، وصاروا يعملون معه، فأبْدَعوا وأرْبَوا عليه واستَمَرّوا بعد ذلك مُنفَرِدين دونَ الصانع القادم، اذ صدَرَ راجعاً عند الاستغناء عنه، بعد ان اجزَلَ له المستنصرُ الصِّلَةَ والكسوة، وتداعَى الى هذه البِنْية كلُّ صانعٍ حاذقٍ من أقطار الارض ......

(٥٢)

وفيها (سنة ٣٥٦) أجرَى (المستنصر بالله) الماء الى سقايات الجامع والميضأتَين اللّتَين مَعَ جانبَيْه: شرقيّه وغربيّه، ماءً عذباً جلبَه من عينٍ بجبل قرطبة، خرَقَ له الأرضَ، وأجراه فى قناةٍ من حجرٍ مُتقَنَة البناء، مُحْكَمَة الهندَسَة، أوْدَعَ جوفَها أنابيبَ الرّصاص لتحفَّظه من كلّ دَنَسٍ وابتُدِئَ جرىُ الماءِ من يوم الجمعة لعشر خلَوْن لصفر من السنة، وفى جَرْيِ الماءِ الى قرطبة يقول محمّد بن شُخَيْصٍ فى قصيدة له، منها:-

Marfat.com

وقد خرقت بُطونَ الارض عن نُطَفٍ — من آعذَب الماءِ نحو البيت تُجريها
طُهرُ الجُسوم اذا ان الت طهار تُها — رِیٌّ القلوب اذا حَرّت صَواديها
قرنتَ فخراً بأجرٍ قلّ ما اقترنا — فی اُمّةٍ انتَ راعيها وحاميها

وابتنی بغربی الجامع دارَ الصَّدقة، اتخذَها مَعهداً التفريق صَدَقاته (رحمه الله تعالی). ومن مستحسنات أفعاله وطيّبات اعماله اتخاذُه المؤدِّبين يُعلِّمون اولادَ الضُّعفاء والمساكين القرآنَ حوالی المسجد الجامع وبكلّ ربض من اَرباض قُرطبة، واَجرَى عليهم المرتّبات، وعَهِد اليهم فی الاجتهاد والنُصح، ابتغاءَ وجه الله العظيم وعددُ هذه المكاتب سبعة وعشرون مكتباً، منها حوالی المسجد الجامع ثلاثة، وباقيها فی كلّ ربَض من ارباض المدينة، وفی ذلك يقول ابن شُخَيص :-

وساحةُ المسجدِ الاعلیٰ مُكلّلةٌ — مَكاتِباً لليتامیٰ من نواحيها
لو مُكِّنَتْ سُوَرُ القرآن من كَلِمٍ — نادتْك : يا خيرَ تالِيها وواعيها

(ابن عذاری ۲/۲۳۷-۲٤۱)

(۵۳)

وكان (المستنصر بالله) مُحِبّاً للعلوم، مُكرِماً لاهلها، جَمّاعاً للكتب فی أنواعها بما لم يَجمَعه احدٌ من الملوك قبله، قال ابو محمد بن حزم : اخبرَنی تَليدٌ الخَصِیّ، وكان علی خزانة العلوم والكُتُب بدار بنی مروان أن عدد الفهارس التی فيها تَسمِيةُ الكتب أربعٌ واربعون فِهرِسَة وفی كل فهرسة عشرون ورقة، ليس فيها الّا ذكرُ اسماء الدَّواوين لا غيرُ، واقامَ للعلم والعلماء سُوقاً نافقةً جلبَتْ اليه بضائعَه من كلّ قُطر۔

Marfat.com

(٥٤)

قال ابو محمّد بن خلدون : ولمّا وفدَ على ابيه ابو علیّ القالی صاحبُ کتاب الآمالیّ من بغداد أکرمَ مثواه وحسُنت منزلتُه عنده وأورثَ اهلَ الاندلس علمَه ، واختصَّ بالحکَم المستنصر واستفادَ علمَه، وکان یبعَثُ فی شراء الکتب الی الاَقطار رجالاً من التُّجار ویرُسل الیهم الاَموالَ لِشرائها حتی جلبَ منها الی الاندلس مالم یعْهَدُوه، وبعثَ فی کتاب الأغانی الی مصنِّفه ابی الفرَج الاصفهانی، وکان نسبُهُ فی بنی اُمیّة ، وأرسلَ الیه فیه بألف دینار من الذّهَب العیَن، فبعث الیه بنسخةٍ منه قبل ان یخرِجَه إلی العراق ، وکذلك فعَلَ معَ القاضی ابی بکر الاَبهَریّ المالکی فی شرحه لمختصَر ابن عبد الحکَمِ وامثال ذلكَ وجمعَ بداره الحُذّاقَ فی صناعة النَّسْخ والمهَرَةَ فی الضّبْط والإجادة فی التجلید، فاوعیَ من ذلك کلّه ، واجتمعتْ بالاندلس خزائنُ من الکتب لم تکن لاحدٍ من قبلِه ولا من بعدِه الّا ما یُذکرعن النّاصر العبّاسیّ بن المُسْتَضِیٔ ، ولم تزَلْ هذه الکتبُ بقصر قرطُبة الی أن بیع اکثرُها فی حصار البربر وأَمَرَ باخراجها وبیْعِها الحاجبُ واضِحٌ[1] مِن موالِی المنصور بن ابی عامرٍ ونُهِبَ ما بَقِیَ منها عند دخول البربر قرطبة واقتحامِهم ایّاها عَنْوةً ـــ انتهی کلام ابن خلدون ببعض اختصار۔

(نفح الطیب ١/١٨٠)

(٥٥)

وقال بعضُ المؤرّخین فی حق الحکَم أنّه کان حسَن السّیرة مُکرِمًا للقادِمین علیه، جمعَ من الکتُب مالا یُحَدُّ ولا یوصَفُ کثرةً ونفاسةً

---

[1] واضح الصقلبی۔ وکان یسمی ایضا واضحا العامری۔ اعان علی قتل المهدیّ وردّ هشام المؤیّد الی الامر سنة ٤٠٠ھ۔

Marfat.com

حتى قيل انّها كانت اربعمائة الف مجلد، وانّهم لمّا نقلوها اقاموا ستّة أشهرٍ في نقلها، وكان عالمًا نبيهًا صافيَ السّريرة، وسمِعَ من قاسم بن اَصْبَغ واحمدَ بن رحيم ومحمد بن عبد السّلام الخُشَنِيّ وزكريّا بن خطّاب واكثَرَ عنه واَجاز له ثابتُ بن قاسم، وكتبَ عن خلقٍ كثيرٍ سِوى هولاء، وكان يَستجلب المصنّفات من الاقاليم والنّواحي، باذِلًا فيها ما امكنَ من الاموال حتى ضاقت عنها خزائنه، وكان ذا غرامٍ بها قد آثَرَ ذلك على لَذّات الملوك، فاستوسَعَ عِلمَه ودقّ نظرُه وجمّتْ استفادتُه، وكان في المعرفة بالرّجال والاخبار والأنساب اَحْوَذِيًّا نَسِيجَ وَحْدِهِ، وكان ثقةً فيما ينقلُه.........

وقلّما يوجَدُ كتابٌ من خزائنه إلّا وله فيه قراءةٌ اونظرٌ في اىّ فنّ كان ويكتبُ فيه نسبَ المؤلِّف ومَولِدَه ووفاته ويأتى من بعد ذلك بغرائبَ لاتكاد تُوجَد الّا عنده لِعنايته بهذا الشّان۔

(نفح الطيب ١/١٨٤۔ ١٨٥)

(٥٦)

قال حَيّانُ بن خلَف: وقرأتُ في بعض الكتب انّ محمّد بن ابي عامر لمّا حجَبَ هشامًا عن النّاس واستَبَدَّ بالأمردُونه، ظهرت فيهم بقرطبة اقوالٌ مُعرِضةٌ اَنشَوا بينهم فيها ابياتًا فاحشةً، فمن ذلك ما قيل على لسان هشام الخليفة في شكواه لهم:۔

أليس من العجائب انّ مِثلى يَرَى ماقلَّ مُمتَنِعًا عَلَيه
وتُملَكُ باسْمِه الدُّنيا جميعًا ومامن ذاك شئٌ في يديه

(ابن عذاري ٢/٢٨٠)

(٥٧)

ومع هٰذا، فلم يَخلَعْ (ابن ابي عامر) اسمَ الحِجابة، ولم يَدَّعِ

السّمعَ لخليفتہ والإجابَۃ، ظاہرٌ یخالِفُہ الباطنُ، واسمٌ تُنافِرہُ مواقِعُ الحُکم والمَواطن. وأذلّ قبائلَ الاَندَلس بإجازۃِ البربر، وأخمَلَ بھم اولئکَ الأعلامَ الاکابرَ، فانّہ قاوَمَھم بأضدادھم، واستکثَرَ من اَعدادھم، حتّٰی تغلّبوا علی الجمھور، وسلَبوا منھم الظُّھور، ووَثَبوا علیھم الوُثوبَ المشھور، الّذی اعادَ اکثَرَ الاندلسِ قَفْراً یَبَاباً، ومَلأَھا وحْشاً وذِئاباً، وأعراھا من الأمان، بُرھۃً من الزّمان، وعلی ھذہ الھیئۃ، فھو وابنُہ المظفّر کان آخرَ سَعْدِ الاندلس، وحدَّ السُّرورِ بھا والتّأنُّس. وغزواتہ فیھا شائعۃ الأُثُر[1]، رائعۃ کالسیف ذی الأَثْر[2]، وحَسَبُہ وافر، ونسبہ مَعافِر، ولذا قالَ یفخَر:-

رَمَیتُ بنفسی ھَوْلَ کلّ کریھۃٍ ۔۔۔ وخاطَرْتُ والحُرُّ الکَریمُ مُخاطِرُ
وماصاحِبی الاّ جَنانٌ مُشَیّعٌ ۔۔۔ وأسمَرُ خطّیٌّ وَاَبیضُ باتِرُ
وانّی لزجّاءُ الجیُوشِ الی الوغَیٰ ۔۔۔ اُسودٌ تُلاقِیھا اُسودٌ خوادِرُ
لَسُدتُّ بنفسی اھلَ کلّ سیادۃٍ ۔۔۔ وکاثرتُ حتّٰی لم اَجِدْمن اُکاثِرُ
وماشِدتُّ بنیاناً ولاکنْ زیادۃً ۔۔۔ علی مابنیٰ عبدُ المَلِیک[3] وعامِرُ
رفَعْنا المَعالی بالعَوالی حدیثۃً ۔۔۔ وادرَتْناھَا فی القَدیمِ المَعافِرُ

(ابن عذاری ۲/۲۹۴)

(۵۸)

وعندتَناھِی المنصورِبن ابی عامرعلی الاقتدار، والنّصرعلی الملوک الطّاغیۃ (دمّرَھا الله)، سَمَا الی مدینۃ شَنْتِ یاقُوب قاصیۃ غَلیسیۃ:

---

[1] الأُثُر: اثرالجرح۔
[2] الأَثْر: جوھرالسیف۔
[3] عبدالملک جدّہ ھوالوافدعلی الاندلس۔ نفح الطیب ۱/۱۸۹۔

Marfat.com

وأعظم مَشاهد النصارى الكائنة ببلاد الأندلس وما يتّصلُ بها من الارض الكبيرة ـ وكانت كنيستُها بمنزلة الكعبة عندنا، فيها يَحْلِفون واليها يَحُجّون من أقصى بلاد رومة وماوراءها، ويزعمون انّ القبرَ المزُور فيها قبرُ ياقوب الحَوارِيّ احَد الاثنَي عشر (رحمهم الله) وكان اخصَّهم بعيسىٰ (عليه السّلام)، وهم يُسمُّونَه اخاه لِلزومه ايّاه. وقد زعم جماعة منهم انه ابن يوسف النجّار ـ وشنت ياقوب هي مَدفَن ياقُوب، فهم يسمّونه " اخا الرّبّ " (تعالى الله عن قولهم علوّاً كبيراً). وياقوب بلسانهم يعقوب، وكان أُسقُفا ببيت المَقدِس، فجعل يَسْتَقْرِي الأرَضِين داعيًا لمن فيها، فجازَ الى الاندلس حتى انتهَىٰ الى هذه القاصية، ثم عاد الى ارض الشأم، فقُتِل بها، وله مائة وعشرون سنةً شمسيةً ـ فاحتمَلَ أصحابُه رِمّتَه، فدفنوها بهذه الكنيسة التى كانت أقصى أثرَه ـ ولم يطمَعْ احدٌ من ملوك الاسلام فى قصدها، ولا الوصولِ اليها، لصعوبة مَدْخلها وخشونة مكانها وبُعد شُقّتها ـ

(ابن عذارى ۲/۲۹٤ ـ ۲۹۵)

(۵۹)

(ومن اخبار المنصور الداخلة فى أبواب البِرّ والقُربة) إنّه خطّ بيده مُصحفاً كان يَحْمِلُه معه فى أسفاره، يَدْرُس فيه ويتبرّك به، ومن قوّة رجائه، انّه اعتنى بجمعِ ما عَلِق بوجهه من الغُبار فى غزواته ومَواطن جهاده، فكان الخَدَمُ يأخذونه عنه بالمَناديل فى كلّ منزلٍ من منازله، حتّى اجتمعَ له منه صُرّةٌ ضخمة عَهِد بتَصْيِيره فى حَنوطه عند موته، وكان يحمِلُه حيث ما سار مع أكفانه، توقّعاً لحلول مَنيّته، وقد كان اتّخَذَ الاكفان من أطيَبِ مَكسَبه من الضَّيعة

Marfat.com

الموروثة عن أبيه، وغَزْلِ بناته، وكان يسألُ اللهَ تعالى أن يتوفّاه في طريق الجهاد فكان كذلك ـ

(ابن عذارى ٢/ ٢٨٨)

(٦٠)

وكان له (المنصور) في كلّ غزوة من غزواته المنيفة على الخمسين مَفخرٌ من المفاخر الاسلامية، فمنها انّ بعض الاجناد نَسِيَ رايتَه مركوزةً على جبلٍ مَقْرَبَ احدى مدائن الرُّوم فأقامت عدّةَ ايام لا يَعْرِف الرومُ ماوراءها بعد رحيلِ العَساكر، وهذا بلاخفاءٍ ممّا يفتخرُ به اهل التوحيد على اهل التثليث لانهم لِمَا أُشرِبَ قلوبُهم خوفَ شِدّة ذِمّةِ المنصور وحزمه وعِلْمِ كلٍّ من ملوكهم انّه لاطاقةَ له بحَرْبه، لجَؤُ الى الفرار والتحصُّن بالمعاقل والقِلاع ولم يحصُلْ مِنهم غيرُ الإشرافِ من بُعدٍ والاطّلاعِ.

(نفح الطيب ١/ ٢٧٨)

(٦١)

وكان مُحِبّا للعلوم مُؤثِرًا للأدب مفرِطًا في اكرام من يُنسَبُ الى شئ من ذلك ويَفِدُ عليه متوسّلاً به، بحَسَب حظّه منه وطلبه له ومشاركته فيه، ورَدَ عليه الاندلسَ في ايام امارته ابوالعلاء صاعدُ بن الحسن الرَّبَعِيّ اللُّغَوِيّ البغدادي، فعظُمت منزلتهُ عنده ونال منه اَمْوالاً جَمّة، وكان وُرودُه عليه سنة ٣٨٠، اظُنُّ اصلَه من بلاد الموصل، دَخَلَ بغداد فقرأبها، وكان عالما باللغة والآداب والأخبار سريعَ الجواب، حَسَنَ الشِّعر، طيّبَ المعاشرة، فَكِهَ المجالسة مُمْتِعا، فأكرمه المنصور وأفرطَ في الاحسان اليه والإفضالِ عليه ....

واَلّف له ابوالعلاء هذا كُتُبًا، فمنها كتابٌ سماه كتاب الفصوص، على نحو كتاب النوادر لأبي على القالى، واتّفقَ لهذا الكتاب من عجائب الاتفاق

انّ ابا العلاء دفعه حين كَمَلَ للغلام له يحمله بين يديه وعَبَرَ النَّهرَ، نهرَ قرطبة، فخانتِ الغلامَ رجلُه فسقطَ فى النّهر هو والكتاب، فقال فى ذلك بعض الشعراء - وهو ابو عبيد الله محمد بن يحيى المعروف بابن العَرِيف - بيتاً مطبوعاً بحضرة المنصور، وهو :-

قد غاصَ فى البحرِ كتاب الفصوص وهكذا كلُّ ثقيلٍ يغوص !

فضحك المنصورُ والحاضرون، فلم يَرُعْ ذلك صاعداً ولا هالَهُ، وقال : مُرتجلاً مُجيباً لابن العريف :-

عادَ الى مَعْدِنِه إنّما توجَدُ فى قَعْرِ البحار الفصوص !

(عبد الواحد المرّاكشى ۳۰-۳۳)

(۶۲)

قال بعض المحقّقين من المورّخين : حَجَرَ المنصورُ ابن ابى عامر على هشامِ المؤيّد بحيث لم يَرَهُ احدٌ منذ ولِيَ الحجابةَ، وربّما اَرْكَبَه بعضَ سِنين وجعلَ عليه بُرْنُساً وعلى جواريه مثلَ ذلك فلا يُعْرَفُ منهنّ، ويأمُرُ من يُنَحّى النّاسَ من طريقه حتى ينتهى المؤيّدُ الى موضع تَنَزُّهِه ثم يعودُ. وكان المنصورُ اذا سافرَ وَكّلَ بالمؤيّد من يفعَلُ معه ذلك، فكان هذا من فِعلِه سَبَباً لانقطاع مُلكِ بنى أميّة من الأندلس، وأخذ مع ذلك فى قتل من يَخشَى منه من بنى أميّة خوفاً أن يثوروا به، ويُظهِرُ انّه يفعلُ ذلك شفقةً على المؤيّد، حتى اَفنَى من يَصلُحُ منهم للولاية ثم فرّقَ باقيَهم فى البلاد، وادخلهم زوايا الخمول عارِين من الطِّراف والتِلاد، وربّما سكَنَ بعضهم البادية، وترك مجلسَ الأُبّهة ونادِيَه، حتى قال بعضُ من يَنقِمُ على المنصور ذلك الفعلَ مِن قصيدة :-

Marfat.com

أبنی اُمیّۃ این اقمارُ الدُّجی　　منکم و این نجومُها والکوکبُ
غابت اُسودُ منکمُ عن غابِها　　فلذاك حازَ المُلْكَ هذا الثَّعْلَبُ

مع انّ للمنصور مفاخر، بذّ بها الاوائل والاواخر، من المثابرۃ على جهاد العدوّ، وتکرار الذّهاب بنفسه فی الرّواح والغُدُوّ۔

(نفح الطیب ۱/۲۷٦)

(٦۳)

وللّٰه درّ القائل فیه (المنصور) :-

آثارُه تُنبیك عن اَخبارِه　　حتیّ کأنّك بالعیون تَراهُ
تاللّٰهِ ماملكَ الجزیرةَ مثلُه　　حقّاً ولا قادَ الجیُوشَ سِواهُ

(ابن عذاری ۲/۳۰۱)

(٦٤)

لم یکن الّا اَنْ تُوُفِّیَ المنصورُ وتولّیَ المظفّرُ فلم تَطُلْ مدّتُهُ فقام بالإمرة اخوه عبد الرّحمٰن الملقب بِسَنْجول فقام علیه المهدیّ والعامّة، وکانت منهم علیه وعلی قومه الطّامّة، وانقرضت دولةُ آل عامر، ولم یبق منهم آمِرٌ۔ وخَرِبَت الزّاهرةُ[۱] ومضت کامس الدّابر وخلت منها الدُّسوتُ الملوکیة والدّساکر، واستولی النّهبُ علی ما فیها من العُدّة والذّخائر والسِّلاحِ، وتلاشی امرها فلم یُرْجَ

[۱] من مبانی المنصور محمد بن ابی عامر، ابتنی لنفسه مدینة لنزله سماها الزاهرة، امر ببنائها سنة ثمان وستین وثلثمائة واقامها بطرف البلد علی نهر قرطبة الاعظم، وبنی معظمها فی عامین وانتقل الیها سنة سبعین وثلثمائة بخاصته وعامته فتبوّأها وشحنها بجمیع اسلحته وامواله وامتعته واتخذ فیها الدواوین والاعمال، فاتسعت هذه المدینة فی المدة القریبة وصار بناؤها من الانباء الغریبة۔

Marfat.com

لفسادها صلاحٌ، وصارت قاعاصفصفا، وبُدِّلت بايام التَّرَح عن ايّام الفَرَح والصَّفا۔ ويُروَى انّ بعض أولياء ذلك الزمان مرّبها ونظرَ الى مَصانعها السّامية الفائقة ومَبانِيها العالية الرائقة فقال، يا دارُ فيك من كلِّ دارٍ فجعل اللهُ منك فى كلّ دارٍ۔ قال الحاكى: فلم تكن بعد دعوة ذلك الرجل الصالح الاّ ايّامٌ يسيرةٌ حتى نُهِبَتْ ذخائرُها وعُمّ بالخراب سائِرُها فلم تبق دارٌ فى الاندلس الاّ ودخلها من نَهْبِهاحِصّة كثيرة اوقليلة وحقّقَ الله تعالى دُعاء ذلك الرجل الذى هِمّتُه مع رَبّه جليلة ولقد حُكِىَ اِنّ بعض مانُهِبَ مِنها بِيعَ ببغداد وغيرها من البلاد المشرقية، فسبحانَ من لايزولُ سلطانُه ولا ينقضى ملكُه، لا اله الاّ هو۔

(نفح الطيب ١/٢٧٥-٢٧٦)

(٦٥)

وقال الشيخ سيدى محى الدّين بن العربي فى المسامرات: قرأت على مدينة الزّهراء بعدخرابها وصَيْرورتها مأوى الطّير والوحْش وبناؤها عجيبٌ فى بلاد الاندلس وهى قريبة من قرطبة۔ ابياتاً تُذَكِّر العاقلَ وتُنَبِّهُ الغافل وهى:۔

دِيارٌ باكناف المَلاعب تَلْمَعُ ... وما إنْ بها من ساكِنٍ وَهْىَ بَلْقَعُ
يَنوحُ عليها الطَّيرُ من كلّ جانبٍ ... فيَصْمُتُ أحيانا وحيناً يُرَجِّعُ
فخاطبتُ منها طائراً متغرّدا ... له شَجَنٌ فى القلب وهومُرَوَّعُ
فقلتُ على ماذا تنوحُ وتَشْتَكِى ... فقال على دهرٍ مضَى ليس يَرْجِعُ

(نفح الطّيب ١/٢٤٥)

(٦٦)

وحكى فى المطْمَح انّ الوزير الكبير الشهير بالحزم بن جَهْوَرَ قال

وقد وقف على قصور الأمويين التى تقوّضت ابنيتها وعوّضت من آنيسها بالوحش أفنيتها :

قلتُ يوما لدارِ قوم تفانوا ... اينَ سكّانُكِ العِزازُ علينا

فأجابتْ هنا أقاموا قليلا ... ثمّ ساروا ولستُ اعلمُ آينا

(نفح الطيب ٢٤٦/١)

(٦٧)

وأمّا حالُ اهلِ الاندلس فى فنون العلم فتحقيق الانصاف فى شأنهم فى هذا الباب انّهم أحْرَصُ النّاس على التمييز، فالجاهلُ الذى لم يُوَفِّقْهُ اللهُ للعلم يجهَدُ أن يتميّزَ بصنعة وَيَرْبأُ بنفسه أن يُرَى فارغاً عالةً على الناس، لانّ هذا عندهم فى نهاية القبح، والعالم عندهم معظّم من الخاصّة والعامّة، يُشارُ اليه، ويُحالُ عليه وينبُه قدرُه وذكرُه عند النّاس، ويُكرَمُ فى جوارٍ او ابتياع حاجة وما أشبهَ ذلك، ومع هذا فليس لاهل الاندلس مدارس تُعينهم على طلب العلم بل يقرؤن جميع العلوم فى المساجد بأجرة، فهم يقرؤن لأن يعلَموا، لا لأن يأخذوا جاريا، فالعالِمُ منهم بارِعٌ لأنه يطلبُ ذلك العلم بباعثٍ من نفسه يحمِلُه على ان يترُكَ الشّغلَ الذى يستفيدُ منه وينفِقُ من عنده حتى يعلَمَ، وكلُّ العلوم لها عندهم حظّ واعتناءٌ الاّ الفلسفة والتّنجيم فانّ لهما حظّاً عظيما عند خواصّهم، ولا يُتظاهرَ بهما خوفَ العامّة، فانّه كلّما قيل فلان يقرأ الفلسفةَ او يشتغلُ بالتّنجيم اطلقَتْ عليه العامّةُ اسمَ زنديق وقيّدَتْ عليه انفاسَه، فان زلّ فى شبهةٍ رجَموه بالحجارة اوحرّقوه قبلَ ان يصلَ امرُه للسّلطان اويقتلَه السلطانُ تقرباً لقلوب العامّة، وكثيراً مايأمُر ملوكُهم بإحراق كتُب هذا الشان اذا وُجِدت، وبذلك تقرّبَ

Marfat.com

المنصورُ بن ابی عامر لقلوبهم اوّلَ نهوضه وان کان غیرَ خالٍ من
الاشتغال بذلك فی الباطن علی ما ذکرہ الحِجاریُّ واللّٰہ اَعلم،
وقراءةُ القرآن بالسبع وروایةُ الحدیث عندهم رفیعةٌ، وللفقہ
رونق ووجاهةٌ، ولامذهبَ لهم الّا مذهب مالك، وخواصُّهم
یحفظون من سائر المذهب ما یُباحثون به بمحاضر ملوکهم ذوی
الهِمَم فی العلوم، وسِمَةُ الفقیہ عندهم جلیلةٌ، حتّی ان المسلمین
کانوا یُسمّونَ الامیر الاعظمَ منهم، الذی یریدون تنویهَهُ،
بالفقیہ، وهی الآن بالمغرب بمنزلة القاضی بالمشرق، وقد
یقولون للکاتب والنحویِّ واللغویّ فقیہ لأنّها عندهم ارفعُ السِّمات
وعلم الاُصول عندهم متوسط الحال، والنحوُ عندهم فی نهایة من
عُلُوِّ الطبقة، وهم کثیرو البحثِ فیہ وحفظِ مذاهبہ کمذاهب الفقہ
وکلّ عالم فی ایّ علم لایکون متمکِّنًا من علم النحو بحیث لا تخفیَ علیہ
الدقائق، فلیس عندهم بمستحِقٍّ للتمییز ولاسالمٍ من الاِزدِراء مع
انّ کلامَ اهل الاندلس الشائعَ فی الخواصّ والعوامّ کثیرُ الانحراف
عمّا تقتضیہ أوضاعُ العربیّة حتی لو أنّ شخصًا من العرب سَمِعَ
کلامَ الشَّلَوْبِینیّ ابی علی المُشارِ الیہ بعلم النحو فی عصرنا الذی
غرّبت تصانیفُه وشرّقت وهو یُقرِئُ درسہ لضحِك بملءِ فیہ من
شدّةِ التحریف الذی فی لسانہ، والخاصُّ منهم اذا تکلّم بالاعراب
واخذ یجری علی قوانین النحو استثقلوه واستبردوہ، ولکنّ ذلك
مُراعیً عندهم فی القراآت والمخاطَبات فی الرّسائل، وعلمُ الادب
المنثور مِن حفظِ التّاریخ والنظم والنثر ومُستظرَفات الحکایات
اَنبلُ علمٍ عندهم وبہ یُتقرَّبُ من مجالس ملوکهم واعلامهم،
ومن لا یکون فیہ ادبٌ من علمائهم فهو غُفلٌ مستثقل ـ والشعرُ

Marfat.com

عندهم له حظّ عظيم وللشعراء من ملوكهم وجاهةٌ ولهم عليهم حظّ ووظائف، والمجيدون منهم يُنشِدون فی مجالس عظماء ملوكهم المختلفة ويُوَقّعُ لهم بالصِّلات على أقدارهم الّا ان يختلَّ الوقتُ ويَغلِبَ الجهلُ فی حين مّا، ولكن هذا الغالبُ، واذا كان الشخصُ بالاندلس نحويّا او شاعرا فانّه يَعظُم فی نفسه لامحالةَ ويَسخُف ويُظهِرُ العُجبَ عادةً قد جُبِلوا عليها۔

(نفح الطيب ١/١٠٢-١٠٣)

(٦٨)

واما خُطّةُ الاحتساب فانّها عندهم موضوعةٌ فی اهل العلم والفِطَن، وكأنّ صاحبَها قاضٍ، والعادةُ فيه ان يمشیَ بنفسه راكبًا على الاسواق وأعوانه معه، وميزانُه الذی يَزِنُ به الخبزَ فی يد أحد الاعوان، لانّ الخبزَ عندهم معلومُ الأوزان، للرُّبع من الدرّهم رغيفٌ على وزنٍ معلومٍ وكذلك للثُّمن، وفی ذلك من المصلحة ان يُرسِل المبتاعُ الصبیَّ الصغيرَ او الجاريةَ الرَّعْناءَ فيستويان فيما يأتيانه به من السُّوق مع الحاذق فی معرفة الأوزان، وكذلك اللّحمُ تكُون عليه وَرَقةٌ بسعره ولا يجسُرُ الجزّارُ أن يبيعَ باكثر او دون ما حَدَّ له المحتسبُ فی الورقة، ولا يكاد تخفىَ خيانتُه، فانّ المحتسبَ يَدُسُّ عليه صَبِيًّا أوجاريةً يبتاعُ احدُهما منه ثم يختبِرُ الوزنَ المحتسبُ، فان وجدَ نقصًا قاس على ذلك حالَه مع الناس فلا تسأل عمّا يَلقىَ، وان كثُرَ ذلك منه ولم يَتُبْ بعد الضَّرب والتجريس[1] فی الاسواق نُفِیَ من البلد، ولهم فی أوضاع الاحتساب قوانينُ يتداولونها ويتدارسونها كما تُتَدارَسُ احكام الفقه لانّها عندهم تدخلُ فی جميع المتاعات وتَتفرّعُ الى

[1] التجريس = التنديد۔

Marfat.com

مايطول ذكره۔

(نفح الطيب ١/١٠١-١٠٢)

(٦٩)

واما قواعدُ اهل الاندلس فی دیانتهم فانّها تختلفُ بحسب الاوقات والنّظر إلی السلاطین، ولکنّ الاغلبَ عندهم اقامة الحدود وانکارُ التّهاونِ بتعطیلها، وقیامُ العامّة فی ذلك، وانکارُه ان تهاوَنَ فیه اصحابُ السّلطان، وقد یلجُ السّلطانُ فی شیٔ من ذلك لاینکرُه فیدْخلون علیه قصرَه المَشِیدَ ولا یَعْبأون بخَیْله ورَجِلِه حتی یُخرِجوه من بلَدهم وهٰذا کثیر فی اخبارهم، وأما الرّجمُ بالحجر للقضاة والولاة للاعمال اذا لم یَعدِلوا فکلَّ یوم۔

(٧٠)

واما طریقة الفقراء علی مذهب اهل الشرق فی الدّورة التی تکسَلُ عن الکدِّ وتُخرِجُ الوجوهَ للطّلب فی الاسواق فمُستقبَحةٌ عندهم الی النّهایة واذا رأوا شخصًا صحیحًا قادرًا علی الخدمة یطلُبُ سبُّوه وأهانوه فضلاعن ان یتصدَّقوا علیه فلا تجدُ بالاندلس سائلاً الاّ ان یکونَ صاحبَ عُذرٍ۔

(نفح الطیب ١/١٠٢)

Marfat.com

مولوی ڈپٹی نذیر احمد بلاشبہ اُردو کے پہلے ناول نگار ہیں۔ مندرجہ ذیل اُنکے مشہور زمانہ ناول ہیں، جن میں عام گھرانوں کی شاندار عکاسی کی گئی ہے، یہ ناول گو کہ سو سال پہلے لکھے گئے تھے لیکن آپ انھیں پڑھ کر آج بھی ایسا محسوس کریں گے کہ اس کے کردار آج بھی ہمارے گھروں میں موجود ہیں، زبان کی سلامت محاوروں کا برجستہ استعمال، مکالموں کی بے اختیار ادائیگی، اور جیتی جاگتی سچی کردار نگاری نذیر احمد کے ناولوں کی جان ہیں، ان کے ہر ناول نے حکومت کی جانب سے انعام حاصل کیا ہے۔ اصلاح معاشرہ اور تعمیر کردار کے لئے ان کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔

مراۃ العروس لڑکیوں کے اچھے اور بُرے کردار کی عکاسی

لڑکی کو کیسا نہیں ہونا چاہیئے، اور لڑکی کو کیسا ہونا چاہیئے، مصنف نے انتہائی دلچسپ اور دلنشین انداز میں، ناول کے روپ میں پیش کیا ہے، جملہ گھرانوں کے زیر مطالعہ رہنے والا ناول، خوبصورت اور حسین پیش کش :- تین روپے ۷۵ پیسے۔

توبۃ النصوح یہ ڈپٹی نذیر احمد کا وہ معرکۃ الآرا ناول ہے

جس کے اب تک بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں؛ لوگوں نے متفقہ طور پر اس کو شاہکار ناول تسلیم کر لیا ہے، اس کے پڑھنے سے انسان اپنا صحیح مقام پہچان لیتا ہے۔ حد درجہ دلچسپ اور دلنشین

قیمت تین روپے ۷۵ پیسے

بنات النعش یہ دراصل مراۃ العروس کا دوسرا حصہ ہے اس میں بھی ذرا تفصیل سے اصلاح نسواں کے موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے، مزاح کی چاشنی نے ناول میں چار چاند لگا دئے ہیں۔

قیمت : تین روپے ۷۵ پیسے

فسانۂ مبتلا فنی اعتبار سے نذیر احمد کے اس ناول کا جواب نہیں۔ دو شادیوں کے خوفناک نتائج پر جتنی عمدگی اور دلچسپی سے اس میں روشنی ڈالی گئی ہے وہ اپنا جواب آپ ہے، اُردو زبان میں ایک گرانمایہ شاہکار

قیمت : تین روپے ۷۵ پیسے

ابن الوقت انگریز پرستی اور مغرب کی تقلید میں مسلمانوں کو کیا کچھ تماشہ بننا پڑا اور اس راہ میں انھیں اپنا تہذیبی، سیاسی معاشری اور ذہنی قربانیاں پیش کرنی پڑیں، اس ناول کو پڑھے بغیر سمجھنا دشوار ہے۔ نذیر احمد کا شگفتہ اور پُر مزاح انداز نگارش جس موضوع پر بھی قلم اُٹھا زعفران زار کھلاتا چلا گیا، یہ ناول نصیحت آمیز بھی اور سبق آموز بھی۔ سب کے پڑھنے کی چیز ایک خوبصورت پیش کش۔ قیمت : تین روپے ۷۵ پیسے۔

162

ندلس
تاریخ و ادب

تصنیف
ڈاکٹر محمد سعید یوسف
پروفیسر عربی جامعہ کراچی

مدِینہ پبلشنگ کمپنی
ندر روڈ، کراچی ۱

Marfat.com